

وَأَعَدُّهُمْ وَأَجْعَلُ اللَّهُ لَكُمْ
 ارباب بل کرانے کی تیج کو نبیوں
 سے تمام لو اور تفرقہ میں نہ پڑے

حبلک

وَأَتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى
 اللَّهِ قَدْ شِمَّ تُوَفِّي كُلِّ نَفْسٍ مَّا
 كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

”اور اس دن سے ڈرو جس دن کہ تم اللہ
 کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو
 اُس کے کیئے ہوئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا
 اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔“ (البقرہ - ۲۸۱)

الهامی ادب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تَكَادُ السَّمُوتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ
وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۚ أَنْ دَعَا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۚ
وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۚ إِنْ
كُلُّ مَنْ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى
الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۚ ————— (مريم: ۹۰ تا ۹۳)

”قریب ہے کہ آسمان پھٹے پڑے، زمین شق ہو
جائے اور پہاڑ ٹوٹے کر گر پڑیں، اس پر کہ اس
لوگوں نے رحمن کے لئے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا!
اور رحمن کے یہ شایانہ شاخ تو نہیں کہ وہ کسی کو
بیٹا بنائے۔ زمین و آسمان میں جو بھی ہے وہ
سب رحمن کے سامنے بند ہے کہ
جیتے سے پیشہ ہونے والے ہیں۔“

حبل اللہ

مُحَمَّد اعظمِ نَحْوَان

مُدير

انيس الدين

نائب مدير

اس شمارے میں

ترتیب

۱: حدیثِ دل — ادارہ

۲: عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

ابو ہزارخ

۳: دینداری یا دکانداری

انیس الدین

۴: داؤد علیہ السلام

نسیم الدین

۵: اللہ کی قدرت اور اس کا قانون

حکیم عبد الصمد

۶: مُصْعَب بن عُمیر رضی اللہ عنہ

عبدالغفور

۷: تافلہ ہے روالہ دوالہ

شکیل الرحمن، کیپٹن برادر

موسطی و غلام اللہ

۸: سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ علیہ

سعید احمد، مشتاق احمد

مُحَمَّدی علی

یَعْقُوب علی

سَعِيد احمد

طارق نسیم

منصور سلطان

معاونین

مجموعہ حبل اللہ

تحریک ساتھیوں سے اپنی

تحریک کو جاری رکھنے

اور حبل اللہ کی اشاعت کو ممکن

بنانے کے لئے حسبِ توفیق تعاون

ضرور فرمائیے۔

یہ مجلہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

مقام اشاعت

مرکزی دفتر مسجد توحید

آر۔ جی ویلوس کوآرڈز، پوسٹ بکس نمبر ۷۲۸

کیماڑی - کراچی

حدیث

الذاریہ

الحکم ذوالحجۃ کی دعوت اٹھانے والے یا امنو ابریکم کی پکار پر
 لوبیک، اسم کہتے والے ہی دراصل انبیاء علیہم السلام کے مشن اور انکی اس
 مشترکہ سنت کے سچے پیروکار ہوا کرتے ہیں۔ دعوت الی اللہ کا یہ عظیم مشن
 دنیا میں رواج پذیر اقدار کی پاسبانی اور اللہ کے دین کے مخالف ماحول کے
 ساتھ سازگاری پیدا کرتے والا نہیں بلکہ رنگ جہاں بدلنے کا علمبردار ہونا
 ہے۔ چنانچہ تاریخ انسانیت گواہ اور اللہ کی لاریب کتاب اس پر شہد عادل
 ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور انکے مخلص ساتھیوں نے اس اصولی اور
 بنیادی دعوت کے مقابلے میں برائی کی قوتوں سے کسی قسم کے کھجوتے کو
 برگرگوار نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اللہ کے آخری رسولؐ نے اس دعوت
 کے مقابلے میں کفار و مشرکین کی تمام تر پیش کشوں کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ
 ان تبع الا مایوحی الی انی اعاف انی عصت ربی عذاب یوم عظیم (یونس ۱۰۱)
 اور آپؐ کے ایماندار ساتھیوں (صحابہ کرامؓ) نے بھی اللہ کے دین کے
 ساتھ اپنی وابستگی کو دنیا کے مفادات پر ترجیح دی۔
 چنانچہ قرآن میں ان کو ہدایت یافزہ قرار دیتے ہوئے انکی وابستگی
 کے لئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو ایمان کی محبت سے مزین
 اور اسکے مقابلے میں کفر و شرک، فسق و فجور اور گناہ و معصیت سے تم کو متخیر
 کر دیا ہے (انجرات، ۸۰) ان کے بارے میں رب کائنات نے منہ جاری
 فرمائی کہ دنیاوی مفادات کو اپنے راستے کی رکاوٹ بنانے والوں کے مقابلے
 میں اللہ کے رسولؐ اور انکے مومن ساتھی اپنے مال اور جان کے ذریعے
 اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ یہی لوگ دنیا و آخرت کی بھلائیوں سمیٹنے

والے ہیں (التوبہ ۸۸) انہی کے لئے کہا گیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنکو انکی
 تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد اور اقامت مصلوٰۃ اور اچلی زکوٰۃ سے
 غافل نہیں کرتی اور وہ قیامت کی سختیوں کے بارے میں فکر مند اور لرزہ
 بر اندام رہتے ہیں۔ (النور، ۳۱)
 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کے ہاں یہ مقام اور احترام انکی دین
 اسلام کے ساتھ مخلصانہ وابستگی اور اس پر استقامت کی وجہ سے ملا ہے۔
 انہوں نے اللہ پر ایمان کے مقابلے میں تمام باطل عقائد و نظریات کو مسترد
 کر کے ان سے اور باطل پرستوں سے برأت و ہزاری کا اعلان کیا۔ اللہ کی
 راہ میں ہجرت کا تقاضا پورا کر دکھایا کہ ہر اس چیز کو ترک کر دیا جس سے اللہ
 نے منع فرمایا۔ یہاں تک کہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے گھر، دار، علاقہ و
 وطن مال و اسباب، بیوی بچے اور کتب و برادری کو چھوڑنے کا تقاضا ظاہر ہوا
 تو اللہ کے نبی علیہ السلام کے ساتھ ان سب چیزوں سے دستبردار ہو کر ہجرت
 کے لئے نکل پڑے۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں جہاد کے سلسلے میں دعوت
 حق کے اعوان و انصار اور اعلائے کلمۃ اللہ کے مشن کے علمبردار بنے۔
 کتاب و سنت کی تعلیم کے حصول سے لیکر اسکو لوگوں میں پھیلانے تک
 واسطے دوسرے دینے تقدسے ہر انداز سے بھرپور کردار ادا کیا اور پھر اسکے بعد
 اگر اس نظریے کے دفاع میں تلوار اٹھانے کی ضرورت پیش آئی تو نقد جان
 ہتھیلی پر رکھ کر سر یکف میدان میں نکلے اور ایسے تمام مراحل پر صبر
 استقامت کا حق ادا کر دکھایا۔ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے کے
 صلے میں جنت کی خوشخبری پر مطمئن اور ہر طرح کے دنیاوی مفادات سے

بے پرواہ ہو کر محض اپنے رب کی مغفرت اور اسکی رضا و خوشنودی کے لئے اس راہ میں سرگرداں رہے۔ اللہ کے ان بندوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول سے تعلق جوڑا تو اپنی سیرت و کردار اور عادات و اطوار کو پوری طرح ان کے سانچے میں ڈھالا۔ انکے روز و شب، معاملات و دنیا، پسند و ناپسند کے معیارات اور خواہشات نفس، سب کچھ اللہ کی شریعت کے تابع ہو گیا۔ زمانے میں اللہ کے دین کیلئے اپنے ماحول میں اجنبی بن جانوالے ہوئے۔

اس طرح کہ، دنیا پر رکھ کر مرنے والے آخرت کے طہکار بنے۔ مصیبت اور نفرت و عداوت، باہمی اخوت و محبت میں بدلی۔ آہن میں لڑکر ختم ہونے والوں کو "رحمہم" کا ربانی سرٹیکٹ ملا۔ فحاشی و بے پرواہی کی جگہ شرم و حیا نے لے لی۔ باہمی انتشار و افتراق اور بے راہ روی کے شکار، نظم و ضبط اور صبح و شام کے چکر بنے۔ بد خوئی، انفسا نفسی اور خود غرضی نے بدل کر خوش مزاجی، بھائی چارے اور ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی اور غیر خواہی کی شکل اختیار کر لی۔ ہر طرح کے فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے، تمام ترکہاں و منکرات سے مجتنب ہو کر حقیقی و عبادت گزار بنے۔ اور اس راہ میں دن کے شمسوار رات کی تنہائیوں میں اپنی خواب گاہوں سے اٹھ کر اللہ کی بارگاہ میں عجز و انکساری سے ٹھکنے والے بنے۔ غرض ہر چیز بدلی۔ صحابہ کرام نے اللہ کے دین کو دل کی گھرائیوں سے قبول کر لیا۔ بعد ازاں اسکو اپنے اوپر نافذ کیا۔ انہوں نے یکسو ہو کر اپنے قول و فعل میں مطابقت پیدا کی۔ اس طرح انکے اندر انیوالی اس تبدیلی نے ماحول و معاشرے میں گرمی پیدا کی اور پھر رنگ جہاں بھی بدلا۔ یہ سب دین حق سے انکی پی اور حقیقی وابستگی کا ثمر تھا۔

نبی علیہ السلام نے اسی دین کے حوالے سے فرمایا تھا:
 بداء الاسلام غرباً و سبوحاً کما بداء فطوبی للغرباء صحیح مسلم
 کہ اسلام جب آیا تھا تو یہ اپنے ماحول میں اجنبی تھا کوئی اسکی طرف توجہ دینے، اسکو سمجھنے اور قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ پھر اسکو فروغ حاصل ہوا۔

لوگ اسکی طرف بڑھے اور اسکو قبول کرنے میں عزت محسوس کی۔ لیکن ایک وقت ایسا آنیوالا ہے کہ یہ دین اسلام لوگوں کے درمیان پھر غریب بن جائیگا، پر ویسی اور اجنبی نظر آئیگا۔ کوئی اسکو اپنانے کے لئے تیار نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق دین اسلام کے ساتھ پی و وابستگی اختیار کر کے مذکورہ بالا فرمان رسول بن جائیں۔

عید میلاد النبی

کی شرعی حیثیت

تحریر: ابوبکازان

ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام اور اسلامی احکام کے اصلی شکل میں احیاء کی کوشش کی جائے، حامل کتاب امت پر اللہ کی طرف سے سونپی گئی یہ اہم ذمہ داری ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر و شرک کو منکر توحید کو پھیلایا، بدعات و خرافات کی جگہ اپنی مبارک سنت رائج کی، مگر افسوس صد افسوس! انہی کے جانے اور تعلق سے اسلامی اقدار کے خلاف رسم و رواج اور بدعات شروع کر دی گئیں اور اسی کو اسلام نکھا جانے لگا۔ ویسے تو اس نوع کی بہت سی بدعات و رسومات رائج ہیں مگر ان سطور میں ہمارا موضوع طویل مدت سے رائج ایک شرمناک رسم ہے جو کہ قبیح بدعت کے ذمرے میں داخل ہے۔ اسے عید میلاد النبی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جشن کے طور منایا جاتا ہے۔ اسے منانے کے لئے ربیع الاول کی بارہ تاریخ مقرر ہے۔ اس تاریخ کو اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش قرار دیکر خود ساختہ تہوار کے طور پر خوشی منائی جاتی ہے۔ اور برصغیر میں تو اس کا کچھ زیادہ ہی غلغلہ ہے۔ گزشتہ ۲۰۰ سالوں سے تو یہ جشن و تہوار بلاے ہی جوش و خروش سے منایا جا رہا ہے۔ اس روز سرکاری تعطیل عام ہوتی ہے، دکانوں، مکانوں، مساجد، قہریوں اور سرگرمیوں میں، بجلی کے جائزہ ناجائز کنکشن کے ذریعہ چراغاں کیا جاتا ہے، کہیں مکانوں پر گھی کے چراغ جلتے نظر آتے ہیں، سرکاری ذرائع ابلاغ سے بے پردہ خواہش کی محافل میلاد نشر کی جاتی ہیں، اخبارات کے خصوصی ایڈیشن شائع کئے جاتے ہیں جن میں ولادت و سیرت پر مضامین ہوتے ہیں اور اس جشن عید میلاد النبی کو بھرپور طریقے سے منانے کی

اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اسلام اجنبی تھا، سو کفر و شرک کے نصیحت و قبیح سائے پھیلے ہوئے تھے، ہر طرح کی خرابیوں اور خرافات کا دور دورہ تھا، ایسے ماحول میں اللہ کے آخری نبی کی بعثت ہوئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تائید و نصرت اور آپ کی مساعی جملہ کے نتیجے میں کفر و شرک اور خرافات کی گھٹائیں چھٹیں، اسلام کا اجالا پھیلا جس نے قلیل عرصے میں زمین کے وسیع خطے کو منور کر دیا۔ خیر القرون تک یہ اپنی پوری تابکاری سے جہاں کو منور کرتا رہا۔ لیکن اسکے بعد آنے والوں نے اسکی تائیدی کی، اور وہ بھی ایسی کہ اسلام کے نام پر اسلامی اقدار پامال کی گئیں، اسلامی عقائد کے نام پر کفر و شرک پر جہنی عقائد و افکار ایمان میں داخل کئے گئے۔ سنت کی جگہ مستحبات و حسنات کے نام پر بدعات رائج ہوئیں، فقہ کے نام پر اسلامی احکام اپنی اصل شکل میں معطل کر دیے گئے، مجاہدہ اور تزکیہ نفس کے نام پر تصوف اور طریقت نے ڈیرے ڈالے، ذکر کے نام پر ”باہو“ کی مخطلیں گرم ہوئیں، حب رسول کے نام پر غلو کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا مذاق اڑایا گیا۔ غرض اسلام اور اسلامی احکام کو استہزاء و مسخ کیا گیا کہ اسلام پھر سے اجنبی ہو گیا۔ اس طرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمن گوئی درست ثابت ہو گئی کہ اسلام جب آیا تھا تو اجنبی تھا اور پھر اجنبی ہو جانے لگا۔ اسلام پھر سے اجنبی ہوا تو اسکے فیوض و برکات بھی اٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کے کوڑے برسے لگے۔ ہر طرف فساد برپا ہوا، انار کی عام ہوئی، اور آج اسلام کا نام لینے والی امت کا حال سب سے زیادہ دگرگوں ہے۔ ایسے حالات میں

زغیب ہوا کرتی ہے۔ ولادت و سیرت پر چھپنے والے ان مضامین میں صحیح باتیں کم اور جھوٹی روایات زیادہ ہوتی ہیں، شہر شہر گلاں گلاں اور محلہ محلہ جلسہ سیرت اقصیٰ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں واعظ اور مقرر نبی علیہ السلام کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے ناحق غلو سے کام لیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا ہے۔ دوسری طرف داڑھی غڈے نعت خواں اپنی سرلی آواز میں شرکیہ نعتوں کے ذریعے نبی کی نسبت کا دم بھرتے نظر آتے ہیں۔ بعض علاقوں میں قوالوں کو مدعو کے ساز و آواز کے سروں میں شرکیہ قوالیاں گائی اور سنی جاتی ہیں، ملک بھر میں "آمد رسول مبارک" کے پوسٹرز آویزاں کئے جاتے ہیں۔ خصوصی طور پر گنبد خضراء کی شبیہ بنا کر اسکی زیارت کروائی جاتی ہے حالانکہ اس نہاد کا وجود ہی نبی کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ستم یہ ہے کہ اسے باعث جرو ثواب تصور کیا جاتا ہے۔ نبی کے نام سے منسوب کر کے شیرینی اور شھانی تقسیم کی جاتی ہے (جو کہ نذر غیر اللہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے)۔ ہم نہاد علماء اہلسنت والجماعت لوگوں کے ساتھ جلس کی شکل میں شہر ل مختلف شاہراہوں سے گزرتے ہیں۔ فرضیکہ اس دن ایک ہنگامہ مستی یا ہونا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس کی بنیادی وجہ حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرار دی جاتی ہے۔ گویا انکے نزدیک شیطانی انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت منانا ہی حب رسول ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھائی ہوئی دو عیدوں کے ساتھ یہ تیسری عید اہلباؤ کی ہے۔ انکی نظر میں اس خود ساختہ عید کی اہمیت کا اندازہ انکے اس حرسے لگایا جاسکتا ہے جو کہ اس دن جگہ جگہ سرز پر لکھا ہوا نظر آتا ہے۔

نذر سیمی جنل پر حزاروں عیدیں اسے ربیع الاول
سوائے انہیں کے جن میں سبھی تو خوشیوں منارہے ہیں

نص فرمے اس مہینے میں محافل میلاد منعقد کرتے ہیں تو دوسرے سیرت اقصیٰ کے نام سے جلسے منعقد کرتے ہیں۔ اور تو اور پرویزی فرمے لے بھی اس میدان میں پیچھے نہیں ہیں حالانکہ ان کا مشن قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفسیر سے الگ کر کے اپنی لٹری

اور مغرب زدہ من مانی تاویلات کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔ انکے نزدیک تو سنت صرف نبی علیہ السلام کی زندگی کی حد تک ہی جیت تھی اور بعد از وفات جیت نہ رہی۔ نبی علیہ السلام کی تشریحی و تشریحی حیثیت کے منکر یہ لوگ بھی اس طوفان بد تمیزی کو ہوا دیتے ہیں۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں۔

"سیرت نزدیک دنیا کے لئے جتن مسرت کی تقریبات دیتی ہیں، ایک نذول قرآن کی عید اور دوسری عید میلاد اقصیٰ۔" (اسلم کے ہم خط، جلد دوم صفحہ ۷۷)

"اگر ہم عید میلاد اقصیٰ کو صحیح طریقہ سے منائیں تو پوری دنیا اس حوالہ کو منانے لگ جائے۔" (ایضاً، صفحہ ۷۷)

دیکھنا یہ ہے کہ امت مسلمہ کھلانے والی یہ عظیم اکثریت جس دن کو اس قدر اہمیت دے کر منارہی ہے قرآن مجید اور احادیث رسول کے مطابق اس دن کی کوئی اہمیت اور عظمت ہے بھی یا نہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس معاملہ میں کیا طرز عمل رہا ہے۔ صحابہ کرام سے بڑھ کر نبی سے محبت کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ اللہ نے نبی علیہ السلام سے انکی محبت اور جانثری کی تعریف کرتے ہوئے انکے ایمان کو معیار ٹھہرایا ہے۔ مگر اس سے پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ دین کی بنیاد قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، کوئی بھی معاملہ ہو اسے صرف اور صرف اسی کسوٹی پر پرکھا جانیگا۔ کسی معاملے کی سند قرآن و سنت سے ملتی ہو تو سر آنکھوں پر، بصورت دیگر خواہ وہ کتنا ہی خوشنما نظر آئے اسکی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں۔ یہ بات جہاں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ واضح فرمادی ہے وہیں نبی علیہ السلام نے بھی احادیث میں اسے صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے،

ملاحظہ ہو،

ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعھا ولا تتبع
اهواء الذین لا یعلمون (البجاشۃ ۱۸)

"پھر ہم نے ایک شریعت پر تم کو قائم کر دیا، تم اسی کی اتباع کرو اور جو علم نہیں رکھتے انکی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔"

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه
اولیاء، قلایلا ساءذکر دن (الاعراف ۳)

”جو قہر رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسکی پہچان کرو اور اس کے علاوہ دوسرے سرے ستم کی پہچان نہ کرو۔ تم لوگ نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو۔“

وما نذكركم الرسول فخذوه وما ننهيكم عنه فاتھوا واتقوا للہ ان للہ عذابا العذاب العشرۃ

”رسول جو کچھ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“

قرآن مجید میں اسی مضمون کی اور بہت سی آیات ہیں لیکن خوف طواغیت کی وجہ سے درج بالا آیات پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ ان آیات کے مطالعے سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ دین صرف وہ ہے جو خالق کل شیء مالک و مدبر کائنات نے نازل فرمایا اور اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنس سالہ دور نبوی میں اسکی عملی تفسیر و تفسیر پیش کی۔ آخر کار یہ نعمت (اسلام) پوری ہوئی۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت صليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً (المائدة ۱۲)

”آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے لوگوں پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجہ الوداع کے موقع پر اللہ کو گواہ بنا کر لوگوں پر واضح کر دیا کہ میں نے اس دین کی ایک ایک بات بلا کم و کاست لوگوں تک پہنچا دی ہے۔

اس دین کے اتمام و اکمال کے بعد جو بھی نیا عقیدہ و نظریہ اختراع کیا جائیگا، یا طاعت و عبادت کے جو بھی نئے انداز ایجاد کئے جائیں گے، اور جو بھی رسم و رواج جاری کئے جائیں گے وہ سب دین میں اضافہ ہونے کی وجہ سے قابل رد و مردود ہوں گے۔

گھمبیل دین کے بعد تمام احداث (نئی چیزیں) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت قرار دیا ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے اور ہر گمراہی و ضلالت موجب جہنم ہے۔ فرمایا:

من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد (بخاری و مسلم)

”جس نے دین میں کوئی ایسا کام کیا جس کی بنیاد شریعت میں نہیں تو وہ کام مردود ہے۔“

من عمل عملاً ليس عليه امرنا فهو رد (مسلم)

”جس نے دین میں کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ کام مردود ہے۔“

فان غير الحديث كتاب الله وخبر الهدي هدى محمد صل الله عليه وسلم وشرا الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة (مسلم)

”بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور بدترین کام دین میں نئی بات لپکا کرنا ہے۔ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

اور ترمذی میں اضافہ ہے۔

كل محدثة في النار

”اور ہر گمراہی جہنم کی طرف دھکیلتی والی ہے۔“

اس طرح سے دین میں چار دروازے کو بند کر کے بدعات و خرافات کی نقب زنی کا سد باب کر دیا گیا۔ چنانچہ دین وہ ہے جو قرآن میں موجود اور سنت سے ثابت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا صحیح میلاد اقصی کے نام سے موسوم اس تہوار اور جشن کا ذکر قرآن و حدیث میں موجود ہے؟ اور انکی رو سے اسکی کیا اہمیت و حیثیت متعین ہوتی ہے؟ اور صحابہ کرام کے طرز عمل سے اسکی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں؟ قرآن و احادیث صحیحہ کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اسکا جواز تو کجا ذکر تک نہیں ہے اور نہ صحابہ کرام کا طرز عمل تو اس میں بھی اس قسم کا کوئی سرائع نہیں ملتا۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ صحابہ کرام سے بڑھ کر دین کو سمجھنے والا اور اللہ کے نبی سے محبت کرنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔ نبی کی ولادت کا جشن منانا محبت کا انداز ہوتا تو سب سے پہلے اسکی حرص صحابہ کرام کو ہوتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ناہمین و تبع ناہمین کا دور غیر القرون میں شامل ہے۔ آپ نے فرمایا:

خير الامتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (متفق علیہ)

”سب سے اچھا سیرا دور ہے چھوڑو جو ان سے متصل ہیں اور پھر وہ جو ان سے متصل ہیں۔“

بڑے ہی تزک و احتشام سے منایا۔ اس طرح یہ دونوں اسکے موجود قرار پاتے ہیں۔ بادشاہ اربل نے اسکی تشریح و شاعت میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اس وجہ سے اکثر مومنین نے اسی کو اسکا موجود قرار دیا ہے۔ مومنین نے بیان کیا ہے کہ یہ دونوں بے دین و بد قماش اور بے صودہ الٹھام تھے، دین سے انہیں کوئی تعلق خاطر نہ تھا (الملاحظہ تو صبح الامرام ابن خلکان اور دیگر کتب تاریخ)۔ عید میلاد النبیؐ کے منانے والے دراصل انہی بے دینوں کے صحیح معنوں میں پیروکار ہیں۔ ذرا سوچیں، ان نام نہاد عاشقان رسولؐ نے قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ کو چھوڑ کر کیسے بے دینوں کو اپنا پڑھوا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لئے دو عیدیں مقرر کی تھیں، ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ۔ عید میلاد النبیؐ کے نام سے یہ عیسوی عید ”لجنا بدہ“ ہونے کی وجہ سے قابل رد اور مردود ہے خواہ اسکا مقصد کیسا ہی نیک کیوں نہ ہو۔

اس عیسوی عید منانے والوں کا طرز عمل زمانہ جاہلیت کے اہل کتاب اور مشرکین سے ملتا ہے۔ وہ بھی اللہ اور اسکے رسولوں کی پیروی کے بجائے انکی یادگاروں سے عقیدت و محبت، عبادت و بندگی کا تعلق قائم کر لیتے تھے اور یہ بھی قرآن و سنت کی پیروی کے بجائے انہی کی طرح ہر سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت یا دگار کے طور پر مناتے ہیں حالانکہ اسلام میں کسی کا بھی ہر سال یوم پیدائش یا یوم وفات منانے کا سرے سے کوئی جواز ہی موجود نہیں ہے۔ اور صحابہ کرامؓ اس قسم کی سوچ و فکر کے زبردست مخالف تھے۔ اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں کے کیلنڈر شروع کرنے کا معاملہ درپیش ہوا تو انہوں نے کیلنڈر کی ابتداء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع کرنے کے مشورے کو یکسر رد کر دیا اور پھر انہوں نے اسلامی کیلنڈر کو ہجرت کے عظیم الشان واقعہ سے شروع کر دیا۔ اسی لئے یہ سن ہجری کہلاتا ہے۔ امام سرخسی سید کبیر کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ان ادوار میں اس عیسوی عید، عید میلاد النبیؐ کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ یہاں تک تو بات قرآن و سنت اور غیر القرآن کے دور تک تھی۔ کچھ اور آگے بڑھیں، فقہی مذاہب کے اماموں کا دور دیکھ جائیے، اس میں بھی اس قسم کی کوئی بات نہ ملے گی۔ ان اماموں میں سے کسی نے بھی اسے منانے کا حکم نہیں دیا۔ یہ لوگ اس کا حکم دینے بھی کیسے جبکہ یہ اس سے قطعاً ناواقف تھے۔ قرآن و سنت کو ماننے والوں کے لئے محض قرآن و سنت ہی کافی ہے جبکہ بعد کے دور کے مسلکی مذاہب کے اعمیٰ مقلدین کی اپنے اپنے مسلک سے وابستگی قرآن و سنت سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ قرآن و سنت کو چھوڑ سکتے ہیں اپنے مسلک اور اپنے امام کو نہیں چھوڑ سکتے، مگر زیر بحث معاملہ میں یہ انکو بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔ انکے اماموں میں سے کسی نے نہیں کہا کہ یہ عیسوی عید مناد۔ پھر بھی یہ اسے بڑے جوش و خروش اور بے چاہ عقیدت و احترام سے مناتے ہیں۔ مسلکی لوگوں کو اپنے طرز عمل پر غور کرنا چاہیے کہ اماموں کے اقوال کے جیسے قرآن و سنت کو چھوڑ دیتے ہیں اور بدعات و خرافات کے لئے اپنے اماموں کی پر دہ بھی نہیں کرتے۔

دین کے ماخذ قرآن و سنت، اور صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور مجتہدین کے ادوار میں خیر موجود یہ چیز ہمارے یہاں کہاں سے برآمد ہوئی اور کس طرح ورتی؟ اس سوال کا جواب اتنا مشکل نہیں، فتویٰ سی تلاش و جستجو سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ ”عظیم الشان“ بدعت ساتویں صدی ہجری میں شروع ہوئی۔ اسکی ابتداء کاسر عراق کے شہر موصل کے رہنے والے بے دین اور جاہل صوفی ملا عمر بن محمد المتوفیؒ اور عراق کے شہر اربل کے بادشاہ الملک، مظفر ابو سعید بن حسن بیکلمین بن محمد کوکری المتوفیؒ کے سر ہے۔ اربل کے بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر ملا عمر بن محمد نے اس بدعت کے جواز کے لئے فتویٰ اور موافقہ ہم پہنچایا۔ بادشاہ اربل نے اسکی خوب تشریح کی اور

”جب عمر بن خطاب نے تعین تاریخ کے بارے میں صحابہ کرام کو جمع کیا تو بعض نے مسورہ دیا کہ تاریخ کی ابتداء ولادت باسعادت سے ہوتی چاہیے لیکن عمر بن خطابؓ نے اس رائے کو پسند نہیں فرمایا، اس لئے کہ اس میں عیسائیوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے کہ انکی تاریخ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ہے۔“ (السیر الکبیر، جلد ۲، ص ۱۰۰)

الغرض ہر سال یوم پیدائش ولیم وفات مناسا اور حقیقت مندوقس اور عیسائیوں کا طریقہ ہے۔ ہندوؤں کے یہاں ”جنم اشٹی“ ہے اور عیسائیوں کے یہاں ”کرسمس ڈے“۔ عید میلاد النبی کا ستوار و جشن ان ہی قوموں سے براہ راست مشابہ ہے حالانکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اہل کتاب کی مخالفت کی تعلیم فرمائی اور انکی نقل کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔

من تشبه بقوم فهو منهم بابو داود، مسند احمد

”جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انھی میں سے ہے۔“

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بارہ ربیع الاول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا دن قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ خود محل نظر ہے۔ اس تاریخ کو آپ کی پیدائش قطعاً ثابت نہیں ہے۔ محقق مورخین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول قرار دی ہے، البتہ ۱۲ ربیع الاول آپ کی وفات کا دن ہے۔ ان نام نہاد عاشقان رسول کی محبت بھی عجیب ہے، آپ کی وفات کے دن خوشی و جشن مناتے ہیں، انکے اپنے گھریا خاندان میں شادی بیاہ کے دن موت واقع ہو جائے تو یہ اپنی شادی بیاہ کی تقریبات منسوخ کر دیتے ہیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انکا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ انھیں اپنے بے لگام جذبات کی تسکین کے لئے شور شراب اور جشن مطلوب ہے، اس عیسوی عید کا جواز نبیؐ سے بے پناہ محبت بھی قرار نہیں دی جاسکتی کیونکہ محبت کا معیار اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم اکی عمران ۱۶۱

”اے نبیؐ کہو کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔“

اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کلن معی فی الجنة (ترمذی)

”جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔“

معلوم ہوا کہ محبت کا اصل راز سنت کی پیروی میں پناہ ہے۔ سنت سے اعراض کر کے محبت کا دعویٰ کرنا حماقت و جہالت ہے۔ ومن بعض اللہ ورسولہ ویستعد حدودہ یدخلہ نار العذاب فیہا ولہ عذاب مہین (النساء، ۱۱۳)

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اسکی حدود سے نکل جائے گا اسکو اللہ جہنم میں ڈالے گا جہنم وہ ہمیشہ رہے گا اور اسکو دلت کا عذاب ہوگا۔“

ومن بعض اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً (الاحزاب، ۳۲)

”اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے راستے کو چھوڑنے والوں کو سخت عذاب کی وعید سنائی گئی۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الهدی ویشیع غیر مسیل المومنین خولہ ماتولی ونصلہ جہنم و ساءت مصیر النساء (۱۱۵)

”اور جس پر ہدایت واضح ہو چکی لیکن اس کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے سے ہٹ کر کسی اور راہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اوسری سوزوں کے جدھر وہ مڑتا ہے اور الجہنم کا اسکو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فمن رغب عن سنتی فلیس منی (بخاری و مسلم)

باقی صفحہ نمبر ۱۰ کا سلم نمبر ۱

دینداری یا دکانداری

تحقیق و نظر: انیس الدین

اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے بارے میں فرمایا تھا، "تم گزشتہ امتوں کی ضرور پوری طرح پیروی اختیار کرو گے۔" یہ پیشین گوئی آج حقیقت کے روپ میں سب کے سامنے ہے، کون سا ایسا کام ہے جو گزشتہ امتوں نے کیا ہو اور انہوں نے چھوڑ دیا ہو۔ قبر پرستی کی لعنت ہو یا پیروں اور مولویوں کو رب بنانے کا معاملہ ہو غرض نافرمانی کا کوئی کام ایسا نہیں جو انہوں نے اختیار کیا ہو اور انہوں نے اسے ترک کیا ہو، بات محض عوام کا انعام کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس امت کے پیر اور مولوی نے گزشتہ امتوں کے پیروں اور مولویوں کی قدرے نہیں بلکہ مکمل طور پر تقلید اور پیروی اختیار کی ہے۔ وہ حق اور باطل میں ظہیم کیا کرتے تھے اور انہیں بھی یہ کام بھد مرغوب ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور گزارہ ان کا بھی اس کے بغیر نہیں ہوتا۔ ان کا کام چلتا ہی اس وقت ہے جب یہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک دیں۔ انہوں نے دین داری کی آڑ میں دکانداری کی تو یہ بھی دین کی آڑ میں اپنی دکان نہ کھاتے ہوئے ہیں۔ اور اس معاملے میں تو انہوں نے حد ہی کر دی ہے۔ پورے دین کو گویا پیداواری صنعت بنا دیا ہے، ان کے یہاں نماز بکیتی ہے، اذان بکیتی ہے، ان کے لہام اور موذن بغیر اجرت کے یہ امور انجام نہیں دیتے۔ قرآن و حدیث کا بیوپار کیا جا رہا ہے۔ قرآن پڑھنا اور سکھانا ایک پیشہ بن گیا ہے جس کو دنیا کمانے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ مولوی صاحب قرآن کی تعظیم بغیر اجرت لئے نہیں دیتے۔ مقتیان دین تنخواہ لیکر فتویٰ دیتے ہیں۔ نکاح خوشی کا موقع ہوتا ہے تو قاضی صاحب جب تک نکاح پڑھانے کی زیادہ

سے زیادہ اجرت نہ لے لیں خوش ہی نہیں ہوتے۔ بچے کے کان میں اذان دیتے کا مذراہ وصول کیا جاتا ہے۔ "بسم اللہ" اور "الم نشرح" نامی بدعتی رسومات بھی مولوی صاحب کے پیٹ کی آگ بجھانے کا سامان ہیں اور بے شمار معاملات ہیں جو انسانی زندگی کے لئے لازم و ملزوم کر دیئے گئے ہیں۔ مگر افسوس کہ مولوی صاحب مرنے پر بھی اس معاملے کو ختم نہیں ہونے دیتے بلکہ کڑوی روٹی فاجحہ خوانی سے شروع کر کے شجر، دسواں، بیسواں، چالیسواں اور برسی کی صورت میں میت کے لواحقین سے "بھتہ" وصول کرتے رہتے ہیں کیونکہ مرنے والا مرا ہے مولوی صاحب تو مازہ دم ہیں یہ تو جیتے جی نہیں مر سکتے اور جینے کے لئے کھانا اور کھانا از لیس ضروری ہے، قرآن بنی اسرائیل کے علماء کی یہی روش بتاتا ہے کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے اور انہیں اللہ کے راستے سے بھی روکتے تھے۔

يا ايها الذين امنوا ان كبروا من الاحبار والمرهبان
لياكلون اموال الناس بالباطل ويصدون عن
سبيل الله (التوبہ ۳۳)

"اے ایمان والو! ان مولویوں اور پیروں میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کے راستے سے روک دیتے ہیں۔"

آج ہی طرز عمل اس امت کے پیروں اور مولویوں کا ہے۔ یہ لوگ محولہ بالا آیت کا پوری طرح مصداق بنے ہوئے ہیں۔ قرآن و سنت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ورنہ قرآن و حدیث میں دین داری کو دکان داری

ہمارے کی شدید مذمت آئی ہے۔ اس امت کے پیر اور مولوی اپنے آپ کو
ایمانہ کا وارث قرار دیتے ہیں، دراصل حالیکہ جتنے بھی ایمانہ مہوٹ ہوئے
ہیں ہر ایک نے یہی کہا ہے کہ ہم تم سے کسی قسم کا مل و ستاح اور اجرت
نہیں مانگتے بلکہ ہمارا اجر تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔ لوح علیہ
السلام نے فرمایا:

وَيَقُومُ لَأَسْأَلَكُمْ عَلَيْهِ مَا لَكُمْ مِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ
۱۶۰

”اے میری قوم میں تم سے اس (دین) پر مال نہیں مانگا، میرا اجر
اللہ کے پاس ہے۔“

لوح اور شعبہ طہیمہ السلام نے فرمایا:

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ
الْعَالَمِينَ (الشعراء: ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱)

”اور میں تم سے اس (دین) پر اجرت نہیں مانگا، میرا اجر تو اللہ رب
العالمین کے پاس ہے۔“

صو علیہ السلام نے فرمایا:

يَقُومُ لَأَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي
فَطَرَنِي ۱۵۹

”اے میری قوم میں تم سے اس (دین) پر اجرت نہیں مانگا، میرا اجر
تو پیدا کرنے والے کے پاس ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم دیا کہ:

قُلْ مَا سَأَلُكُمْ مِنْ أَجْرِ هُوَ لَكُمْ لَنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى
لِلَّهِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ (سبا: ۱۲۷)

”اے نبی کہہ کہ میں نے تم سے کچھ (دین) پر اجرت مانگی ہو تو وہ
تمہاری، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔“

قُلْ لَأَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ
(الانعام: ۹۱)

”اے نبی کہہ کہ میں تم سے اس (دین) پر اجرت نہیں مانگا، یہ تو

حرم عالم کے لئے نصیحت ہے۔“

قرآن سے معلوم ہوا کہ تمام ایمانہ کا طرز عمل یہی رہا ہے کہ
انہوں نے دین پر دنیا والوں سے کسی بھی قسم کا اجر مال، ہدیہ طلب یا
وصول نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ تمام کے تمام اللہ ہی سے اجر کے طالب
رہے۔ تو یہ کیسے ورنہ الانبیاء میں جو دینی امور بلکہ دین کے ایک
ایک کام پر اجرت، ہڈیوں اور دھڑیلے وصول کرتے ہیں، قرآن و حدیث
نے دینداری کو وکالتداری بنانے سے بڑی شدت سے روکا ہے۔ سب
سے پہلے قرآن ملاحظہ ہو:

وَلَا تَشْتَرُوا بِإِيمَانِكُمْ ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيمَانُكُمْ فَاتَحُونَ (البقرة: ۱۶۱)

”اور میری آیات کو تمہاری قیمت کے بدلے مت بیجو اور تمہاری حق سے
ڈرو۔“

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيُسْتَرُونَ
بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ
وَلَا يَكْتُمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ
الِيمٌ (البقرة: ۱۷۵)

”بلائے جو لوگ من باتوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب
میں نازل فرمائی ہیں اور اس کے عوض کچھ (دنوی) مطامع حاصل
کر لینے میں وہ اپنے دھڑیلے میں آگ بھرتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ
قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا
اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔“

اہل کتاب میں سے کچھ علم والے جو نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم
پر ایمان لے آئے تھے ان کی اس امتیازی صفت کا قرآن میں خصوصیت
سے ذکر کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

.....خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْفَعُونَ بِإِيمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا
أَلَّا يَحْمِلُوا (آل عمران: ۱۸۸)

”... (وہ لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور اللہ کی آیات کو تمہاری
قیمت پر نہیں بکا دیتے۔“

واضح کیا گیا کہ اللہ سے ڈرنے والے خوف و خشیت کے حامل علم والوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ دینی کام کی اجرت کے طلبگار نہیں ہوا کرتے۔

قرآن کی ان واضح آیات کے علی الرغم دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنایا گیا۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ دینی امور پر اجرت وصول کرنے کے باوجود یہ سب سے زیادہ دیندار، پرہیزگار اور حقیقی گروانے جاتے ہیں۔ دین کو دکانداری بنانا ڈالنے والے قرآن کے ان احکامات کو اچھی طرح جاننے میں مگر ان احکامات کو یہ حاملین دین فن و دینداری کے تحت مادیات و توجیمات کے ذریعہ گزشتہ امت کے متعلق جانتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کا طرز عمل تھا انہیں اس سے روکا گیا ہے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ قرآن کے ذریعہ جس چیز سے روکا جائے اور جس چیز کی شراعت بیان کی جائے وہ صرف اور صرف انہی اقوام کے لئے ہو۔ قرآن میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے تو کیا حاملین قرآن ان چیزوں اور ان احکامات کی پابندیوں سے سبراہیں؟ اور کیا قرآن میں لگائی گئی بندشوں سے یہ حاملین قرآن قطعاً آزاد ہیں؟ ”اللہ کی آیات کو مست یچو“ (قرآن کی اس آیت کو فقط بنی اسرائیل تک محدود کرنا محض حیلہ ہے اور فن و دینداری کا ایک کارنامہ! ان ماہرین فن کے لئے زیر نظر حدیث ایک ہزیانہ ہے اگر یہ محسوس کر لیں! ملاحظہ ہو۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تقوم الساعة حتی تاخذ امتی باخذ القرون قبلہا شبرا بشبر وذراعاً بذراع فقیل یا رسول اللہ کفارس والروم فقال ومن الناس الا اولئک (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک میری امت اس طرح پچھلے امتوں کے مطابق نہیں ہو جائے گی جس طرح

ہفت ہفت کے اور گزرتے ہوتا ہے“۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ کیا قریس و روم کی طرح؟ فرمایا کہ ان کے سوا اور کون۔

قرآن سے واضح ہو گیا کہ تمام انبیاء نے دین پر کسی قسم کی اجرت اور مال طلب نہیں کیا نہ ہی حدیث وصول کیا اور یہ بھی واضح ہوا کہ ”ما نزل اللہ من الکتاب“ کو دکانداری بنانے سے سختی سے روک دیا گیا ہے۔ حدیث کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔

احادیث

عبدالرحمن بن شبل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اقرأ و القرآن ولا تغلوا فيه ولا تعفوا عنه ولا تاكلوا به ولا تستكثروا به (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۳)

”قرآن پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض نہ کرو اس کو ذریعہ معاش نہ بنانا اور نہ ہی اس سے ہست سے دنیاوی فوائد حاصل کرو“

(۱) عن عبادة بن صامت قال علمت ناسا اهل الصفة القرآن والكتاب فاهدى الى رجل منهم قوسا فقلت ليست بمال وارضى عنها في سبيل الله لا بين رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا ستانك فاتية فقلت يا رسول الله رجل اهدى الى قوسا ممن كنت اعلمه الكتاب و القرآن وليست بمال وارضى عنها في سبيل الله تعالى قال ان كنت تعب ان تطوق طوقا من نار فاقبلها (سنن ابی داود کتاب الاجارة باب في كسب المعلم)

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے صاحب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن پڑھایا اور گھنٹا سکھایا تو ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو ایک کنن تحفے میں بھیجا۔ میں نے غیب

کیا یہ کوئی مال تو ہے نہیں میں اللہ کی راہ میں اس سے میرے چھلے گا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلے گا اور آپ سے پوچھوں گا۔ تو میں آپ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص نے مجھے میں نے قرآن پڑھایا اور کھانا سکھایا مجھے ایک کھانہ تھک رہی ہے اور یہ کوئی مال تو ہے نہیں۔ میں اس سے جہاد کروں گا اللہ کی راہ میں۔ آپ نے فرمایا: اگر تو آگ کا طوق پہنا چاہے تو اس کھانے کو لے لے۔

(۴) وعن عمر بن حصین رضی اللہ عنہ اند مرسل قاص یقرأ ثم یستال فاسترجع ثم قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قرأ القرآن فلیستال اللہ بہ فانی سببی اقوام یقرؤن القرآن یستالون بہ الناس۔ ارواہ احمد و ترمذی مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن

عمر بن حصین رضی اللہ عنہ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے جو کہ قرآن پڑھ کر لوگوں سے اسوال کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے لاف و لالیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو قرآن پڑھے اسکو چاہیے کہ اللہ سے سوال کرے، عنقریب ایسی قوم ہوگی جو قرآن پڑھیں گی اور اس کے ذریعہ لوگوں سے سوال کریں گی۔

(۵) عن عثمان بن ابی العاص قال قلت یا رسول اللہ اجعلنی امام قومی قال انت امامہم واقتد باضعفہم واتخذ مؤذن لا یأخذ علی اذانہ اجرا ہرمذی، ابو داود، نسائی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم، مستند احمد

۴۔ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ مجھے میری قوم کا امام مقرر کر دیجئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم انکے امام ہو۔ انکی امامت کرو مضعفوں کا خیال رکھتے ہوئے اور ایسا مؤذن مقرر کرو جو اذان دینے پر اجرت نہ لے۔

ان احادیث نے معاملہ بالکل ہی صاف کر دیا کہ قرآن کو ذریعہ معاش نہ بنایا جائے یہی تک کہ تعلیم قرآن پر کوئی تحفہ بھی قبول کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اذان پر اجرت دینے سے منع کر دیا گیا۔ جب اذان پر اجرت نہیں دی جاسکتی اور نہ لی جاسکتی ہے تو پھر امامت پر اجرت کا تو قطعاً جواز نہ رہا۔ اس طرح ان احادیث نے حتی طور سے دینی امور کو ذریعہ معاش بنانے کا قطعی سد باب کر دیا اور کوئی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ ان احادیث کا یہی مقصد ہی ہے۔ مگر پیٹ کے بجادی کو کب یہ گوارا ہو سکتا ہے کہ اسکی پر تعیش معاش کا وردوازہ بند کیا جائے اور وہ اسے برداشت کر لے چنانچہ انکی طرف سے اسکے دفاع میں فن و پنداری کے بہت سے مظاہرات دیکھئے، سنئے اور پڑھئے میں آتے ہیں۔ کبھی ان احادیث کو ضعیف بتاتے ہیں تو کبھی انکی ردیکہ تاویلات کرتے ہیں۔ کبھی ان احادیث کو دوسری صحیح احادیث کے ظلم معنی کر کے ان سے ٹکراتے ہیں کہ کسی طرح راستے کے پتھر ہٹ جائیں اور دین کے ہیو پار میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ اس میں ان کو خاطر خواہ کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے اور دین ایک منافع بخش کاروبار کی شکل میں ہر جگہ موجود ہے۔ اس گنجیمہ صورتحال میں مناسب ہے کہ احادیث سے اس گروہ ظہار کو دور کر دیا جائے جو کہ بزم خولش دین کے نگہبان ۳ ہمایار کے وارثوں کی طرف سے ڈالا جاتا ہے۔ ان پیٹ پرستوں نے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے جو گل کھلائے ہیں ذیل کی سطور میں ان کا تجزیہ اور تھاکہ پیش خدمت ہے۔

نمبر ۱ کے تحت پیش کی گئی حدیث عبدالرحمن بن قبل رضی اللہ عنہ کی ہے کہ قرآن پڑھو مگر اس کو ذریعہ معاش نہ بنانا۔ اس حدیث پر دین کو دکابنداری بنانے والوں کا تہیہ و ملاحظہ ہو۔

۱۔ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو حرام ثابت کرنے کے لئے حضرت عبدالرحمن بن قبل، حضرت بریدہ اور عبادہ بن صامت کی روایات پیش کیں ہیں مگر جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ تمام روایات ضعیف ہیں..... دہی عبدالرحمن بن قبل اللہ تعالیٰ کی روایت تو قبول موصوف کہ یہ

عبد الرحمن بن شبل کی حدیث کو احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔۔۔ اور اسبطرح اسکو اسحاق بن راہویہ نے اور ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف کے باب الترواح میں وکیع عن هشام الحد ستوائی کی سند سے نقل کیا ہے اور اس حدیث کو عبد الرزاق نے بھی اپنی کتاب المصنف میں معمر بن یحییٰ بن ابی کثیر عن زید بن سلام عن جدہ ابی راشد الطبرانی کی سند سے بیان کیا ہے اور عبد الرزاق والی سند سے ہی اس حدیث کو عبد بن حمید اسحاق بن راہویہ اور ابو یعلیٰ الموصلی نے اپنی مسانید میں بیان کیا ہے اور اسی طرح طبرانی نے بھی اس حدیث کو اپنی معجم میں بیان کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ عبد الرحمن بن شبل کی حدیث کو مسند احمد کی نادر روایت قرار دینا محض ایک شوشہ ہے جو ان فن دینداری کے حاملین کی طرف سے آنے والی بات ہے۔

نمبر ۲ کے تحت حمادہ بن صامت کی حدیث پیش کی گئی ہے۔ اس حدیث میں چونکہ باطل بخوبی چلنے کا کوئی امکان نہیں اسوجہ سے اسے رد کرنا بہت ضروری تھا لہذا فرماتے ہیں،

”تعلیم القرآن پر اجرت لینے کو حرام ثابت کرنے کے لئے۔۔۔ اور

حمادہ بن صامت کی روایات پیش کی ہیں مگر جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ

تمام روایات ضعیف ہیں۔۔۔۔۔ حمادہ بن صامت کی روایت میں ایک

راوی بھول اور دوسرا ضعیف ہے۔“ (الحدین المخلص دوسری قسط

صفحہ ۱۱۸)

اس حدیث کے متعلق ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ

”یہ روایت ضعیف ہے کیوں کہ اسکی سند میں ایک راوی الاسود بن

خطب الکندی الشافعی بھول ہے (تقریب صفحہ ۱۳۶) یعنی الاسود کے متعلق

کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون تھے اس حدیث کا دوسرا راوی المغیرہ بن

”مسند احمد کی نادر روایات میں قبول کھاتی ہیں بلکہ ”کچھ سند سے ہوں اور احمد بن شبل کے

بہ معنی حدیث کی تائید کرتے ہیں۔ اس سوجہ سے انھیں ائمہ کبھی دوسری تحریر میں گما جائیگا۔

روایت مسند احمد بن حنبل کی نادر روایات میں شامل ہے اور اسے اہم احمد نے روایت کیا ہے اور خود اہم احمد موصوف کے نزدیک ضعیف ہی نہیں بلکہ کافر اور شیخ (معاذ اللہ) قرار پاتے ہیں۔ اس نے انکی روایات سے موصوف کو احوال مل کر تے ہوئے شرم آتی چاہیئے۔“

(الحدین المخلص دوسری قسط صفحہ ۱۱۸)

دین کے بیوپاریوں کے نزدیک تو دین و آدمی کو دکانداری بنانے سے روکنے والی تمام ہی احادیث ضعیف ہیں۔ ان کا تو کتنا ہی کیا ہے۔ حیات و سماع فی القبر سے متعلق ضعیف ترین اور موضوع روایات بھی انکے نزدیک صحیح ہوتی ہیں مگر جن احادیث سے انکے پیٹ پر لات پڑتی ہے تو وہ صحیح ہونے کے باوجود ضعیف ہیں۔ فیا للجب اگر حیرت اس بات پر ہے کہ حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور دلیل کوئی نہیں دیتے۔ محولہ عبارت میں عبد الرحمن بن شبل کی حدیث کو بیک جہش قلم ضعیف قرار دیا گیا ہے مگر دلیل کوئی نہیں دی گئی۔ بلا دلیل صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینا تو انکار حدیث کا شاخسانہ ہے اور منکرین حدیث کا طرہ امتیاز۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ مسند احمد کی نادر روایت ہے تو یہ موصوف کی جہالت کا منہ بولنا ثبوت ہے۔ ورنہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ یہ محض مسند احمد کی روایت نہیں بلکہ اسکی تحریف بہت سے محدثین نے کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فحدیث عبد الرحمن بن شبل ، رواہ احمد فی

مسندہ۔۔۔۔۔ وکذلک رواہ اسحاق بن راہویہ ،

والہن ابی شیبہ فی مصنفہ فی باب الترواح حدیثا

وکیع عن هشام الدستوائی بہ ، ورواہ عبد الرزاق

فی مصنفہ اخبرنا معمر عن یحییٰ بن ابی کثیر عن زید

بن سلام عن جدہ ابی راشد العبیرانی بہ ومن طریق

عبد الرزاق رواہ کذلک عبد بن حمید و اسحاق

بن راہویہ وابو یعلیٰ الموصلی فی ”مسانیدہم“

وکذلک الطبرانی فی ”معجمہ“۔ انصب الراہ

زیادہ پہلی اور عظام الموصلی ہے ام احمد بن حنبل۔ ان عبدالم
 زہدیت میں کہ عبادہ بن صامت کی لیکن والی روایت ان (المطیع) کے
 متاخر میں شریکی جاتی ہے۔ "الدین الفاضل" دوسری قسط صفحہ ۱۰۵
 یہ حدیث ابن ہبیت پرستوں کی راوی میں ایک مضبوط ریکارڈ ہے
 اور اس میں توبیل کا بھی کوئی امکان نہیں چنانچہ اس میں اس قدر طبع
 آزمائی کی جا رہی ہے کہ کسی بھی طرح اس روایت کو ضعیف ثابت کر دیا
 جائے۔ مگر درحقیقت یہ ان کی سئلہ لا حاصل ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح
 ہے۔ ملاحظہ ہو۔

قال شعيب حديث عبادة هذا اخرجه ايضا
 الطحاوي ۱۵۸ و احمد ۳۱۵۰ و ابو نعیم في " اخبار
 اصبهان " ۸۶۸ و البيهقي ۱۶۵۸ کلهم من طريق
 مغيرة بن زياد بهذا الاسناد والاسود بن شعيب
 مجهول، لکن لم یفرّد به، فقد اخرجه احمد ۳۲۳۵
 و ابو داود ۳۲۱۴ من طریقین، عن بشر بن عبد الله
 بن یسار حدثني عبادة بن نسي، عن جنادة بن لمية
 عن عبادة بن الصامت و صحبه الحاكم ۲۵۱۳
 ووافقه الذهبي، إسناده تہذیب الکمال، جلد ۳،
 صفحہ ۲۶۶

شعيب کہتے ہیں کہ عبادہ کی اس حدیث کو بخاری اور احمد
 ۳۱۵۰ اور ابو نعیم نے اخبار اصبهان میں اور بخاری ۳۲۱۴ نے بھی
 ترجیح کیا ہے ان تمام نے مغیرہ بن زیاد کی اسی حد سے اس کو بیان
 کیا ہے اور اسود بن شعیب مجہول ہے لیکن وہ اس میں مطرود نہیں ہے۔
 جیسا کہ مستدرک احمد جلد ۵ صفحہ ۳۳۳ اور ابوداؤد حدیث نمبر ۴۰۳۸ میں
 دو طریقوں سے اس کو روایت کیا ہے۔ احادیث کا وہ سراسر غرق یعنی
 بشر بن عبد الله بن یسار حدثني عبادة بن نسي عن جنادة بن امية عن
 عبادہ بن صامت ہے اور اس کو حاکم نے جلد ۳ صفحہ ۲۵۱۳ میں صحیح کیا
 ہے اور اجماعی نے اس میں اس کی موافقت کی ہے۔

اس حوالے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ روایت دو سندوں سے
 مروی ہے۔ اسود بن شعیب کی جہالت سے اور مغیرہ بن زیاد کے مختلف فیہ
 ہونے کی وجہ سے اس روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ دین
 کی دکانداری کرنے والوں پر اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کا فیصلہ
 کن حوالہ انکے پیشوا ناصر الدین البانی کا ہے۔ انہوں نے عبادہ بن
 صامت کی زیر بحث حدیث اپنی کتاب صحیح ابی داؤد میں ترجیح کی ہے
 اور اسکے دونوں طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیئے صحیح ابی داؤد،
 جلد ۲ صفحہ ۶۵۵۔ یہ حکم پروردگار میں کہ کیا یہ لوگ اس روایت کو اب
 بھی ماننے پر تیار نہیں ہیں؟ بلا تحقیق حدیث کو ضعیف قرار دینا اس بات
 کی غمازی کر رہا ہے کہ اس حدیث کو رد کرنے کا اپنے ہی فیصلہ کر لیا گیا
 ہے اور پھر اسکے لئے ادھر ادھر سے تحقیقی لوازمات اور شہ پارے جمع
 کر کے پیش کروائے گئے ہیں۔

احادیث میں قرآن کو ذریعہ معاش بنانے کی کھینچ نفی آتی ہے۔
 محض قرآن ہی کو ذریعہ معاش بنانے سے نہیں روکا گیا بلکہ قرآن
 و حدیث و عباداری کو دکانداری بنانے کے تحت مخالف ہیں۔ مگر حاطین
 دین ہیں کہ دین داری کے نام پر اپنے اپنے کاروبار اور روزگار چمکاتے
 ہوئے ہیں۔ ایسا تو ممکن نہیں کہ یہ قرآن و حدیث کے احکامات سے
 نا آشنا ہوں بلکہ جلتے بوجھت انہوں نے یہ انداز و اطوار اپناتے ہیں، انکی
 پوری کوشش ہے کہ قرآن و حدیث کے احکامات کو اپنے ہیٹ کے
 سانچے میں ڈھال لیں۔ و عباداری کو دکانداری بنانے سے روکنے والی
 احادیث کو ہیٹ کے سانچے میں ڈھالنے والی ایک مثال ملاحظہ ہو۔

۱۳ اصل بات یہ ہے کہ ان روایات سے اجدلال بھی کیا جائے تو ان
 روایات میں طاعت قرآن پاک پر اجرت طلب کرنے کی ممانعت کی
 گئی ہے یعنی کسی شخص کو طاعت قرآن کریم کے ذریعہ اجرت طلب
 کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ حضرت عمر بن حصینؓ کی
 روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ "الدین الفاضل" دوسری قسط صفحہ ۱۱۸
 درج بالا عبارت میں ذرا غور فرمائیے۔ "ان روایات سے

احمد لال بھی کیا جائے۔۔۔" کھنکر جہاں بھرمانہ ضمیر کو (صحیح احادیث کو ضعیف قرار دینے پر کچھ تھپکی دی جا رہی ہے وہاں احادیث کی ایک خاص توجیہ کر کے گویا جان چھڑائی گئی ہے۔ اس طرح کے نفع بخش کاروبار کی راہ میں حائل احادیث بیک جنبشِ قلم اپنے احکام میں گویا خیر موثر ہو گئیں، اور ان پیٹ پر ستوں کا راستہ صاف ہو گیا۔ تف ہے ان دین کی کٹائی کھانے والوں پر جو اپنے پیٹ کی آگ کھانے کی خاطر احادیث کو پہلے تو ضعیف قرار دیں اور اس پر بھی کام نہ چلے تو ان کو تادیل کی سان پر چڑھا دیں۔ احادیث میں تو وہ دین کو ذریعہ معاش بنانے سے مطلق روکا گیا ہے خواہ کسی بھی انداز سے اور کسی بھی طریقے سے ہو۔ عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں:

اقرء القرآن ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به

اس حدیث کا سیدھا سا دھما مطلب ہے کہ

اقرء القرآن ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به

(ملو غ الامانی جز ۱۵، صفحہ ۱۶۵)

"یعنی قرآن کو معاش اور دنیاوی فوائد کی کثرت کا ذریعہ نہ بنو۔"

حدیث میں صاف طور پر آگیا کہ قرآن کو ذریعہ معاش اور دنیاوی فوائد کی کثرت کے حصول کا ذریعہ نہ بنانا۔ ان غیر مبہم اور واضح الفاظ کے باوجود بھی یہ کہنا کہ ان احادیث سے احمد لال کیا بھی جائے تو یہ صرف تلاوت قرآن پر دنیا طلب کرنے سے متعلق ہیں، حد درجہ کی حماقت اور حقائق سے چشم پوشی کی بدترین مثال ہے۔ ایسی بات کہنے والے یا تو نرے جاہل ہیں یا حث و حریم۔ رہی عمران بن حصینؓ کی روایت تو وہ بالکل الگ اور ایک مستقل حدیث ہے اور اسکا اپنا ایک اضافی حکم ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ باقی احادیث بھی محض اسی قدر ہی حکم رکھتی ہیں جو کہ عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے۔ عمران بن حصینؓ کی حدیث میں تلاوت قرآن کر کے سوال کرنے سے روکا گیا ہے تو یہ بھی یقیناً منع ہے اور اضافی حکم ہے مگر اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوسری احادیث کو بھی محض تلاوت قرآن والے

محلے کے ساتھ مخصوص اور مقید کر دیا جائے۔ یہ لوگ بھی عجیب مخلوق ہیں، ابو سعید خدریؓ کی دم والی روایت اور محل بن سعدؓ کی نکاح سے متعلق روایت جن کا دینی امور پر اجرت سے دور کا بھی تعلق نہیں انکو تو یہ الگ اور مستقل حکم رکھنے والی احادیث گردانتے ہیں حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان احادیث کو دینی امور پر اجرت لینے سے روکنے والی احادیث کی روشنی میں سمجھتے اور ان کا مفہوم لینے سے بات قرین صواب ہے، مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا جاتا۔ دین کے بیوپاری فن دین داری کے ماہر ہونے کی وجہ سے مطلب برآری میں بڑے مشاق ہیں، دینی امور پر اجرت کی نئی میں وارد احادیث کو ضعیف قرار دینے یا انکی غلط توجیہ کرنے پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ بعض غیر متعلق احادیث صحیحہ سے بھی دینی امور پر اجرت لینے کے لئے احمد لال لاتے ہیں۔ اس محلے میں سب سے زیادہ مشق ستم ابو سعید خدریؓ کی دم والی درج ذیل حدیث پر کی جاتی ہے،

عن ابی سعید الخدریؓ ان ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتوا علی حی من اعیان العرب فلم یفر۔ دم فینماہم کذا لک لذلذغ سید اولئک فقالوا هل معکم دولہ اوراق فقالوا نعم انکم لم تقرونا ولا تفعل حتی تجعلوا لنا جملاً فجعلوا لہم قطیعاً من الشاء فجعل یقرء بام القرآن و یجمع بذاقہ و یتفل فبرا فاتوا بالشاء فقالوا لا نأخذہ حتی نسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا فضحک وقال ما ادراک انہا رقیۃ خذوها واضربوا لی بسہم و فی رواۃ اقساموا واضربوا لی معکم بسہم (بخاری جلد ۹ صفحہ ۸۵۳)۔

ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی یہ جماعت ایک عرب قبیلہ کے پاس پہنچی۔ قبیلہ والوں نے انکی نوازی کرنے سے انکار کر دیا اسی دوران اس قبیلہ کے سردار کو ایک زحریلے

جاؤر نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے صحابہ سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کالے کی دوا ہے یا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے؟ صحابہ نے جواب دیا کہ ہاں۔ مگر تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ہماری سہیلی کرنے سے انکار کر دیا ہے اس لئے ہم اس وقت تک تمہارے سردار پر دم نہیں کریں گے جب تک تم ہماری لئے کچھ احسان کا وعدہ نہ کرو۔ آخر کار بھیڑوں کی ایک گھڑی پر معاملہ طے ہوا۔ ایک صحابی نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اپنا قہقہہ جمع کیا اور سردار پر تھکڑا دیا۔

قبیلہ کا سردار بالکل اچھا ہو گیا۔ حسب وعدہ قبیلہ والوں نے بھیڑیں دیں۔ صحابہ کرام کو تردد ہوا اور انہوں نے کہا اس وقت تک ہم ان بھیڑیوں کو نہیں لیں گے جب تک نبی علیہ السلام سے دریافت نہ کر لیں۔ پھر جب نبی علیہ السلام سے انہوں نے پوچھا تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ الفاتحہ ایک ”دم“ ہے؟ بھیڑیوں کو لے لو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہیں میں تقسیم کرو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

حدیث بالا صاف بتا رہی ہے کہ یہ دینی امور پر اجرت لینے کا معاملہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس حدیث سے دینی امور پر اجرت کا استدلال کرنے والے نرے جاہل اور عقل کے اندھے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ یقیناً ہیٹ پرستی ہے۔ یہ لوگ مال و زر کے بندے ہیں، دین اور دینداری سے انکا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ دین سے ان کا تعلق محض پوشہ و دانہ ہے۔ الاحادیث حدیث کی حدیث میں بیان کردہ واقعہ ایک خاص خاص واقعہ ہے۔ اس زمانے میں جب ہوٹل اور ریسٹوران کا رواج نہیں تھا اور قبیلہ والوں نے ضابطہ اخلاق اور معروف رواج کے برعکس ضیافت کرنے سے انکار کر دیا تو اس صورتحال میں اس کے سوا اور کیا چارہ تھا کہ ان سے حق ضیافت کسی بھی طرح وصول کر لیا جاتا۔ یہ تو اضطراری حالات کا تقاضا تھا اور حالت اضطرار میں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت ہے۔ حق ضیافت وصول کر لینے سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی تو یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر ہوگا۔

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ اذ قال قلنا یا رسول اللہ انک تبعنا فتنزل بقوم فلا یقرؤنا فما ترئ فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نزلتم بقوم فامرؤکم بما ینبئ للضیف فاقبلوا فان لم یفعلوا فخذوا منهم حق المضيف الذی ینبئ لهم۔ (بخاری کتاب الادب، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، مسنداحمد)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں بھیجے ہیں اور راستے میں ہم بعض قبیلوں کے ہیں پڑا کرتے ہیں لیکن وہ ہماری سہیلی نہیں کرتے، آپ بتائیے اس صورتحال میں ہم کیا کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی قوم کے ہیں پڑا کر دو۔ وہ تمہاری مسکن تواریزی کریں جو مسکن کے لئے مناسب ہوتی ہے تو اسے قبول کر لو اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے مسکن کا وہ حق وصول کرو جو ان پر لازم ہے۔

کیا فن دینداری کے ان ماہرین نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا۔ موسیٰ علیہ السلام حضرت علیہ السلام کے ساتھ ایک بستی میں پہنچے، اس بستی کے لوگوں نے کھینے کے باوجود انکے کھانے کا اہتمام نہ کیا۔ حضرت نے جب انکی ایک دیوار کو جو گرنے والی تھی سیدھا کر دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً ان سے کہا:

... لو شئت لتخذت علیہ اجرا (الکہف ۷۷)

”اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت طلب کر لیتے۔“

اللہ کے برگزیدہ رسول! تو اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ ظرفی میں خود ایک نمونہ ہوتے ہیں اور معمولی فروگزاشت پر انتقامی جذبہ ان کے شان شاہین نہیں ہوتا۔ لیکن اس دور میں جبکہ ہونٹوں وغیرہ کا وجود نہ تھا مسافروں کی مسکن تواریزی نہ کرنا ایک بڑی حق غلطی اور عظیم معاشرتی جرم تصور کیا جاتا تھا، اسی لئے اضطراری حالت میں اپنا حق لینے کے جذبے سے ہی درج بالا الفاظ موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر آئے۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ نے اس قوم سے حق ضیافت اسی وقت وصول کیا تھا جب قبیلہ دالوں نے قاعدے کے مطابق ضیافت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابو سعید خدریؓ کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ عقبہ بن عامرؓ کی عیثیٰ کردہ حدیث میں اس صورتحال میں حق ضیافت وصول کرنے کا جواز موجود ہے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ابو سعید خدریؓ کی زیر بحث روایت سے تمام ہی لوگ دلیل لاتے ہیں، نماز پڑھانے والے نماز پڑھانے کی قرآن کی تعلیم دینے والے قرآن کی تعلیم دینے کی، فتویٰ دینے والے فتویٰ دینے کی، حدیث اور فقہ پڑھانے والے حدیث و فقہ پڑھانے کی اجرت وصول کرنے کے لئے اسی روایت کو پیش کرتے ہیں۔ پہلی بات جو اوپر گزری کہ یہ اضطراری حالات کا خاص معاملہ تھا جس سے عموم پر دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ دوسری بات یہ کہ یہ دینی امور پر اجرت کا معاملہ تھا ہی نہیں۔ اجرت تو خدمت الہام دینے والے کا حق ہوتی ہے جبکہ اس واقعہ میں تو ”راقی“ (دم کرنے والے) ابو سعید خدریؓ نے دم کیا مگر اس کے صلے میں ملنے والے بھیڑوں یا بکریوں کے ریوڑ کو قلعے کے تمام لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا حصہ بھی لگائے کو کہا، حالانکہ آپ وہاں موجود ہی نہ تھے بلکہ صحابہ کرامؓ نے مدینہ واپس آکر آپ سے اس معاملے کا ذکر کیا تھا، تو اس وقت آپ نے اس میں اپنا حصہ لگانے کو کہا تھا۔ بھلا کیا اجیر کی اجرت بھی تقسیم ہوا کرتی ہے؟ اور اجرت میں کسی اور کا بھی حصہ بنتا ہے جو اس معاملے سے قطعاً لاتعلق ہو؟ دینداری کو دکانداری بنانے والوں سے کوئی پوچھے آپ جو دینی امور پر اجرت وصول کرتے ہو تو کیا آپ بھی اسکو لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہو؟ اور کیا آپ بھی اس میں دوسروں کو حصہ دار بنانے پر تیار ہو؟ آج تک ریکارڈ پر ایسا کوئی واقعہ نہیں کہ دینی امور پر اجرت لینے والوں نے اپنی تنخواہوں میں کسی دوسرے کو حصہ دار بنایا ہو یا اپنی تنخواہ لوگوں میں تقسیم کر دی ہو، تو پھر مان لینا چاہیے کہ دینی امور پر اجرت لینے والے اس حدیث پر خود عمل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس

صورتحال میں اس حدیث سے دلیل لانا چھ معنی وار دہ

دین کے بیوپاریوں کو کب گوارا ہو سکتا ہے کہ حدیث کے صحیح مطلب کو واضح کیا جائے، حدیث کی صحیح تشریح اور توضیح سے تو ان کی دکانداری چوہٹ ہوئی جاتی ہے۔ اس کو بچانے کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے جا رہے ہیں۔ ایک مثال ملاحظہ ہو۔

”موصوف نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث کی اپنے طور پر

تکلیفات تو کی ہیں مگر ابن عباسؓ کی حدیث جو اس سلسلے میں بالکل واضح ہے اور جس میں موصوف کی یہ خود ساختہ تکلیفات نہیں چلی سکتی تھی اس کا اشارہ تک انہوں نے اپنے کھچپے میں نہیں کیا۔ چنانچہ ہم آپ کے سلسلے ابن عباسؓ کی حدیث پیش کر دیتے ہیں جو اس مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ موصوف بہر دھوکہ باز ہیں اور کسی بھی سرے پر دھوکہ دینے سے باز نہیں آتے۔ ابو سعید خدریؓ کی روایت میں انہوں نے کسی حد تک یوں تو پیش کر دی لیکن ابن عباسؓ کی روایت کا کبھی اشارہ بھی ذکر نہیں کیا۔ اور اسکی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ اس طرح انکے اس کھوکھلے دھوکے کی قلعی کھل جاتی اس لئے اس روایت پر انہوں نے وہجہ حذال دی ہے۔“ (الدین المخلص دوسری قسط صفحہ ۴۱، ۴۲)

ان پیٹ کے ہندوں کی بے لگام زبان اور قلم اس طرح کی حقوات نکالا جاتا ہے کیونکہ سچ اور حق انکے حلق سے نیچے اترتا ہی نہیں۔ موصوف کی یہ حقوات کوئی دینی خدمت نہیں محض دکانداری کے کھلے دروازے کو کھلا رکھنے کی ماروا اور احمقانہ کوشش ہے۔ ڈاکٹر عثمانیؒ نے ابو سعید خدریؓ کی حدیث کی صحیح تشریح پیش کی ہے۔ ابو سعید خدریؓ کی حدیث اور ابن عباسؓ کی حدیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ وہ دو الگ الگ واقعات تو نہیں۔ موصوف کی عقل پر تو گویا پتھر پڑ گئے ہیں۔ ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں پورا واقعہ مع جزئیات بیان ہوا ہے جبکہ ابن عباسؓ کی روایت میں بھی اسی واقعہ کو بیان کیا گیا ہے مگر اس میں تمام چیزیں بیان نہیں ہوئیں۔ ابن عباسؓ کی حدیث ابو سعید خدریؓ کی

حدیث کے مقابلے میں محفل ہے اور جب کسی واقعہ کو تمام بیان کرنا ہوتا ہے تو اس واقعہ سے متعلق تمام روایات کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ جو چیزیں ابن عباسؓ کی حدیث میں نہیں تو کیا ہو ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں تو ہیں۔ بہت بڑا جمل اور عقل کا اندھا ہے جو ابو سعید خدریؓ کی روایت کے مقابلے میں ابن عباسؓ کی حدیث کو بالکل واضح قرار دے جبکہ مظلوم ہے کہ ابو سعید خدریؓ اور ابن عباسؓ دونوں ایک ہی واقعہ کو بیان کر رہے ہیں۔ ابو سعید خدریؓ اور ابن عباسؓ کی بیان کردہ دونوں احادیث ایک ہی واقعے سے متعلق ہیں۔ یہ خود حدیثوں سے بھی مترشح ہے اور ابن جریرؒ الباریؒ میں لکھتے ہیں:

... ان حدیث ابن عباس و حدیث ابی سعید فی

قصة واحدة... رفع الباری کتاب الطب

ابن عباسؓ اور ابو سعید خدریؓ کی احادیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔

مظلوم ہوا کہ ابن عباسؓ اور ابو سعید خدریؓ کی احادیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ ابن عباسؓ کی حدیث مختصر ہے اور ابو سعید خدریؓ کی مطول اور ظاہر ہے کہ مطول مختصر کی وضاحت ہوتی ہے اور جب ابو سعید خدریؓ کی مطول حدیث نے بات صاف کر دی تو ابن عباسؓ کی مختصر حدیث (جس میں تمام جزئیات نہیں آئی ہیں) پر استدلال کی عمارت کس طرح قائم ہو سکتی ہے۔ یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ ابو سعید خدریؓ تو اس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے کیونکہ صحابہؓ کی اس جماعت میں شامل تھے جس کو یہ واقعہ درپیش ہوا۔ بعض احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ راقی (دوم کرنے والے) خود ابو سعید خدریؓ تھے جبکہ ابن عباسؓ صحابہؓ کی اس جماعت میں شامل نہیں تھے جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ اب تو قارئین کو تجویزی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ "ماہر و حوکہ باز" کون ہے؟

ان معروضات سے واضح ہوا کہ موصوف مخالفت حق اور حکم پروری کے دفاع میں ہوش و حواس بھی کھو بیٹھے ہیں ورنہ حدیث سے

ذرا بھی واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ ایک واقعہ سے متعلق جب بہت سی روایات محفل اور مفسر ہوں تو ان کو باہم جمع کر کے حدیث کا مطلب لیا جاتا ہے۔ مفسر سے آنکھیں بند کر کے مختصر پر استدلال کی بنیاد رکھنا تو حدیث اور علم حدیث سے بیگانگی بلکہ دشمنی کے مترادف ہے۔

اب یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آخر یہ ابن عباسؓ کی حدیث پر ہی اصرار کیوں ہے جسے دینی امور پر اجرت کے "اس سلسلے میں بالکل واضح" کہا جا رہا ہے؟ وجہ اس کی دراصل یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت کے آخر میں ان احق ما اخذتم علیہ اجر الکتاب للہ کے الفاظ آئے ہیں جس سے یہ پتہ چلے کہ لوگ دین کے پیار کو جائز ٹھہرانے کا بجائے جواز اخذ کرتے ہیں جسکی حقیقت آگے آ رہی ہے۔

دوم دانی اس حدیث سے دینی امور پر اجرت لینے کے لئے استدلال کرنے والوں نے کیا اس حدیث میں موجود صحابہ کرامؓ کے طرز عمل پر ذرا بھی غور کیا ہے؟ صحابہؓ نے تو کہا تھا کہ لاناخذہ حتی نشتال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ہم اس کو اس وقت تک نہیں لیں گے جب تک اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کر لیں۔ اور ابن عباسؓ کی روایت میں فکر ہو اذلک کے الفاظ آئے ہیں یعنی "انہوں نے اسکو لینے میں کراہت محسوس کی۔" یہ تھا صحابہ کا طرز عمل۔ کیا ان لوگوں کو یہ بالکل نظر نہیں آتا؟ اس پہلو پر ان پیٹ کلمہ بھاریوں نے ذرا بھی غور نہ کیا کہ آخر صحابہؓ نے کراہت کیوں محسوس کی؟

بعض چابک دست تو ابن عباسؓ کی حدیث کے صرف آخری الفاظ پیش کرتے ہیں، ان احق ما اخذتم علیہ اجر الکتاب للہ یعنی کتاب اللہ پر اجر لینا سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اصول اور انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسے طرز عمل سے باز آجائیں کیونکہ یہ الفاظ درج بالا سطور میں پیش کردہ واقعہ سے متعلق ہیں اور جس واقعہ سے یہ متعلق ہیں اس کے ساتھ یہ دست رکھتے ہوئے اس کا مطلب اخذ کرنا چاہیے۔ کسی بھی عبارت کو سیاق و سباق سے جدا کر کے کوئی بھی معنی پہنانے

جاسکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سیاق و سباق سے جدا کر کے جو معنی کئے جائیں گے وہ صحیح ہونے سے رہے۔ حدیث کے ان الفاظ سے تعلیم القرآن پر اجرت لینے کے لئے اہدلال کرنے والوں کے متعلق بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ

..... من له ذوق من معاني الاحاديث لا يلفظ بهذا الكلام الذي ليس له معنى وعمدة القاری جز ۱ صفحہ ۱۲۳

”جو حدیث کے معنی کا ذوق رکھتا ہے وہ اس بات سے یہ (تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا) مفہوم نہ لگا کر کہ یہ اس کے معنی نہیں ہیں۔“

ان احق ما عذتم علیہ اجرا کتاب اللہ کے الفاظ اور یہ کی صورت میں پیش کئے گئے واقعہ سے متعلق ہیں اور اس واقعے میں ضیافت سے انکار کی اضطراری کیفیت میں دم کے ذریعہ حق ضیافت وصول کرنے کا ذکر ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کر دیے۔ نماز پڑھانے، قرآن و حدیث کی تعلیم دینے اور دیگر دینی امور پر اجرت کا تو اس میں سرے سے ذکر ہی نہیں تو پھر ان تمام چیزوں پر اس سے دلیل لانا امتحان کو شش ہے۔

دین کے بیوپاری اپنے کاروبار کو تحفظ دینے کیلئے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اہدلال لاتے ہیں۔ حدیث ملاحظہ ہو،

عن سهل بن سعد الساعدي قال جاءت امرأة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله جئت اهب لك نفسي قال فنظر اليها رسول الله صلى الله عليه وسلم فصعد النظر فيها وصوبه ثم طأطا رسول الله صلى الله عليه وسلم راسه فلما رأت المرأة انه لم يقض فيها شيئا جلست فقام رجل

”یعنی اس حدیث سے تعلیم قرآن پر اجرت کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ مگر قرآن پڑھ کر دم کسے پر اجرت لینے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ موقف غلط ہے۔

من اصحابه فقال يا رسول الله ان لم يكن لك بها حاجة فزوجنيها فقال وهل عندك من شيء قال لا والله يا رسول الله فقال اذهب الى اهلك فانظر هل تجد شيئا فذهب ثم رجع فقال لا والله ما وجدت شيئا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انظر ولو خائفا من حديد فذهب ثم رجع قال لا والله يا رسول الله ولا خائفا من حديد ولكن هذا ازاري قال سهل ماله رداء فلما نصفه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ماتنصح بازارك ان لبسته لم يكن عليها من شيء وان لبسته لم يكن عليك شيء فجلس الرجل حتى اذا طأطأ مجلسه قام فراه رسول الله صلى الله عليه وسلم مولياً فامر به فدعى فلما جاء قال ماذا معك من القرآن قال معي سورة كذا و سورة كذا عددها فقال تقر. ومن عن ظهر قلبك قال نعم قال اذهب فقد ملككها بما معك من القرآن (بخاری کتاب النکاح)

سہل بن سعد سعدي رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک خاتون نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں اپنے آپ کو آپ کے لئے وقف کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔ بیان کیا کہ پھر نبی علیہ السلام نے نظر اٹھ کر انہیں دیکھا پھر آپ نے فکر کو بچا کیا اور پھر اپنا سر جھکایا۔ جب ان خاتون نے دیکھا کہ نبی علیہ السلام نے ان کے لئے کوئی فیصلہ نہیں کیا تو بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد آپ کے ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں تو ان سے میرا نکاح کر دیجئے۔ نبی علیہ السلام نے دریافت فرمایا تمہارے پاس کوئی چیز ہے۔ انہوں نے عرض کیا نہیں اللہ گواہ ہے یا رسول اللہ۔ نبی علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اپنے گھر جاؤ اور دیکھو ممکن ہے تمہیں کوئی

چیز مل جائے وہ گئے اور واپس آئے اور عرض کیا کہ اللہ گواہ ہے کہ میں نے کچھ نہیں پایا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا دیکھ لو اگر لوہے کی ایک انگوٹھی ہی مل جائے۔ وہ گئے اور واپس آئے اور عرض کیا کہ اللہ گواہ ہے یا رسول اللہ میرے پاس لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ہے۔ البتہ میرے پاس ایک حمد ہے، انہیں (عاقون) کو اس میں سے آدھا دے دیجئے۔ مسل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کے پاس چادر بھی نہیں تھی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ تمہارے حمد کا کیا کریں گی۔ اگر تم اسے پہنو گے تو انکے لئے اس میں سے کچھ نہیں بچے گا اور اگر وہ بہن میں تو تمہارے لئے کچھ نہیں رہے گا۔ اس کے بعد وہ صحابی بیٹھ گئے۔ کافی دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد وہ جب کھڑے ہوئے تو نبی علیہ السلام نے انہیں دیکھا کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے انہیں بلوایا، جب وہ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہیں قرآن مجید کتنا یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں فلاں سو میں یاد ہیں۔ انہوں نے گن کر بتائیں۔ نبی علیہ السلام نے پوچھا کیا تم انہیں حفظ سے پڑھ سکتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا پھر یہ انہیں حمد سے نکال میں دیا اس قرآن کی وجہ سے جو تمہیں یاد ہے۔

اس حدیث سے بھی دینی امور پر اجرت لینے کا اہدلال کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

”چونکہ عورت کا اصل سر میل ہے اور یہیں میل کی عدم موجودگی کی وجہ سے قرآن سکھانے کو اس کا بدل قرار دے دیا گیا۔ لہذا اس سے بھی ثابت ہوا کہ تعلیم قرآن پر اجرت لی جاسکتی ہے۔“

(الدین المخلص دوسری قسط ص ۱۰۷)

”ساون کے اندھے کو ہر ابراہی سوا چھتا ہے“ چنانچہ ان حکم پرستوں کو اس حدیث میں دیداری کو دکانداری بنانے کا جواز نظر آتا ہے ورنہ اس حدیث میں دینی امور پر اجرت لینے کا قطعاً کوئی جواز موجود نہیں۔ اس میں تو ایک مفلوک الملل اور مغضی صحابی کے نکاح کا

واقعہ مذکور ہے جن کے پاس سر کی ادائیگی کے لئے کچھ بھی نہ تھا اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح قرآن یا حفظ قرآن کی بنا پر کر دیا تھا۔ اس میں تعلیم قرآن پر اجرت کا جواز کہاں ہے؟ قرآن یا حفظ قرآن کی بنا پر نکاح سے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے لئے جواز نکالنے سے پہلے ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالئے معلوم ہوگا کہ جب خسہ حال صحابی نے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان سے پوچھا میرے پاس کچھ ہے؟ ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ انہوں نے اسکا اقرار کیا، لا واللہ یا رسول اللہ۔ اس پر بھی نبی علیہ السلام نے انکو گھر بھیجا کہ جاذو دیکھو کچھ مل جائیگا۔ وہ گھر جاتے ہیں اور واپس آکر حلفیہ بتاتے ہیں کہ کچھ نہیں ملا۔ نبی علیہ السلام پھر انہیں بھیجتے ہیں کہ جاذو دیکھو کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے۔ وہ پھر جاتے ہیں اور واپس آکر پھر کہتے ہیں کہ لا واللہ یا رسول اللہ ولا خالقاً من جدید۔ اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول (میرے پاس) لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں“ بالآخر اپنے ازار میں سے آویسے کی پیشکش کرتے ہیں جسکو نبی علیہ السلام مسترد کر دیتے ہیں کہ اسکو آدھا آدھا کر دینے سے انکے ازار کا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ کیا یہ واقعہ نہیں بتاتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہر صورت میں سر کے لئے کچھ نہ کچھ فراہم کرنے کی کوشش کی تھی، جب کوئی صورت نہ بن پائی تب کہیں جا کر آپؐ نے انکا نکاح قرآن یا حفظ قرآن کی وجہ سے قائم کیا۔ یہ ایک خصوصی واقعہ تھا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت تھی۔ نبی علیہ السلام کی خصوصیت کا صرف یہی ایک معاملہ نہیں ہے بلکہ اور بھی معاملات احادیث میں مذکور ہیں۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ یہ نہ تو کوئی عام رواج تھا اور نہ معمول۔ نہ پہلے ایسا ہوا تھا اور نہ بعد میں یہ معمول بنا۔ کہتے ایسے نکاح ہیں جو قرآن یا حفظ قرآن کی بنا پر ہوتے؟ پہلے نہ سہی، کیا اس واقعے کے بعد کی اس قسم کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ دراصل سر تو عورت کا اختیار ہوتا ہے وہ جس چیز پر بھی راضی ہو جائے۔ اس واقعہ میں عاقون نے اپنا نفس بلا کسی شرط کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حبہ کر دیا تھا۔ اس

حدیث سے تعلیم قرآن پر استدلال کرنے والوں کو ام سلیمہ کے ابو طلحہ سے نکاح کے واقعہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ امام نسائی نے ام سلیمہ کے نکاح کے واقعہ پر "التزویج علی الاسلام" (اسلام لانے پر نکاح) کا باب قائم کیا ہے۔ اس باب کے تحت انس کی دو روایتیں لائے ہیں۔

ملاحظہ ہو،

عن انس قال تزوج ابو طلحة ام سليم فكان صداق مابينهما الاسلام اسلمت ام سليم قبل اني طلحة فخطبها فقالت اني قد اسلمت فان اسلمت نكحتك فاسلم فكان صداق مابينهما (انسائي، كتاب النكاح)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو طلحہ نے ام سلیمہ سے نکاح کیا، ان کے درمیان ابو طلحہ کا اسلام لانا مقرر پایا۔ ام سلیمہ ابو طلحہ سے پہلے اسلام لائیں۔ جب ابو طلحہ نے انکو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تم سے نکاح کروں گی۔ پس ابو طلحہ نے اسلام قبول کیا۔ یہی انکا مقرر پایا۔

عن انس قال خطب ابو طلحة ام سليم فقالت والله ما مطلق يا اباطلحة يرد ولكك رجل كافر وانا امرأة مسلمة ولا يعجل لي ان اتزوجك فان تسلم فذاك مهرى وما اسالك غيره فاسلم فكان ذلك مهرها۔ (ایضاً)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو طلحہ نے ام سلیمہ کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم اے ابو طلحہ تمہاری طرف سے آدمی کو رد نہیں کیا جاتا لیکن تم کافر ہو اور میں مسلم اور میرے لئے جائز نہیں کہ تم سے نکاح کروں، یہی اگر تم اسلام قبول کر لو تو یہی میرا مہر ہوگا اور اس کے علاوہ میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ پس ابو طلحہ نے اسلام قبول کر لیا اور یہی انکا مہر بنا۔

اس واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک مرتبہ پھر الدین الفاضل

کے مصنف کے استدلال کو ملاحظہ فرمائیے،

”چونکہ عورت کا اصل میں سر ہے اور یہاں اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے قرآن سکھانے کو اس کا بدل قرار دے دیا گیا لہذا اس سے ثابت ہوا کہ تعلیم قرآن پر اجرت لی جاسکتی ہے۔“

(الدین الفاضل، دوسری قسط، ص ۳۷، ۳۸)

موصوف کے استدلال کے مطابق چونکہ عورت کا اصل مہر مال ہے ام سلیمہ کے نکاح میں ابو طلحہ کا اسلام لانا مقرر تھا لہذا اسلام قبول کرنے پر مال و دولت لینا جائز ہوا یا مال و دولت کے عوض اسلام قبول کرنا مستحسن قرار پایا۔ موصوف کے ہیمانے کے مطابق تو قرآن پر نکاح سے جب تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز نکلا تو اسلام پر نکاح سے اسلام لانے پر اجرت لینا جائز ہوا، گویا اسلام بھی ”دھاری پر ٹھہرا“ اور مسلمان ”اجرتی مسلمان“ ہو گئے، گویا ان پیشہ ور دین داروں کے نزدیک دین اسلام منافع، کسب پیداواری صنعت ہے۔ قف ہے اس انداز ہیئت پرستی پر جو ایمان و اسلام لانے سے لیکر مرنے اور مرنے کے بعد ہر چیز پر مال بنانے میں مصروف رکھے، قرآن و حدیث کا کیسا مذاق بنایا ہے ان ظالموں نے!

دینی امور پر اجرت لینے کے لئے آیات قرآنی سے صرف نظر کر کے صحیح احادیث سے غلط استدلال کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اور بات بڑے زور و شور سے کی جاتی ہے وہ یہ کہ عمر بن خطابؓ نے اپنے دور خلافت میں اماموں، موزنوں اور محکمین کی بیت المال سے تنخواہیں مقرر کی تھیں۔ اس غلط بات کو بڑے شدد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور یہ بات زبان زد عام ہے۔ درحقیقت یہ عمر بن خطابؓ پر صریح الزام اور بہتان ہے، ایک افسانہ ہے جو گھر گھر ان سے منسوب کر دیا گیا ہے، ورنہ اسکی حیثیت پر کاہ کی بھی نہیں ہے۔ دین کے بیوپاری اس کے لئے آج تک ٹھوس علمی دلیل نہیں پیش کر سکے ہیں جس قدر باہیں کی جاتی ہیں سب بے دلیل اور غیر مستند ہیں۔ عمر بن خطابؓ نے اپنے دور خلافت میں بہت سے انتظامی امور انجام دیے، بہت سے کام کئے،

انکے علاوہ اور بھی بہت سے کاموں کی بنا رکھی، اسی میں آپ کا ایک کام یہ بھی تھا کہ آپ نے حکومتی فرائض انجام دینے والے "عمال" کی بہت المال سے تنخواہیں مقرر کیں، امامت، موذن اور مفتی کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں کی تھی۔ عمال (یعنی ریاستی امور سرانجام دینے والے اہل کار) کی تنخواہیں مقرر کرنے سے لوگوں نے دینی امور انجام دینے کی تنخواہ مقرر کرنے کا افسانہ گھڑا۔ حکومتی فرائض انجام دینے والے عمال کی تنخواہ سے موذن کی تنخواہ کا جواز نکالنے والوں کے متعلق اللہ کا کافی فرماتے ہیں،

فَقَاسُ الْمَوْذِنِ عَلَى الْعَامِلِ ، وَهُوَ قِيَاسٌ فِي مَصَادِمَةِ النَّصِّ إِرْمَذِيُّ بِشَرْحِ أَحْمَدَ شَاكِرٍ جلد ۱ صفحہ ۳۱۱

• مولن کو عامل پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ قیاس نص سے معادم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بے انتہا فتوحات ہوئیں، کفار کے بے شمار علاقے فتح ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہوتے رہے اور ان سے حاصل ہونے والے مال غنیمت اور دوسری مددات کی آمدنی کے مسجد نبوی میں ذخیرہ لگے رہتے تھے۔ اور عمرؓ اس سارے مال کو ساری مملکت میں تقسیم کرنے پر اتنے پر عزم تھے کہ فرماتے تھے،

لَوْلَا آخِرُ الْمُسْلِمِينَ مَا ضَعُفَتْ قَرْيَةٌ إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ أَهْلِهَا كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ بِخَارِزِيِّ كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسَّيْرِ بِأَبِی الْغَضِیغَةِ

• اگر دوسرے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو جو مہمیں میں فتح کرتا، انکو لوگوں میں تقسیم کر دیا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کو تقسیم کر دیا تھا۔

آپ نے اس مال غنیمت کی مملکت کے لوگوں میں تقسیم کے مختلف معیار مقرر کئے ہوئے تھے جس کا اندازہ ذیل کی دو روایات سے ہوتا ہے۔

كَانَ فَرَضٌ لِلْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ أَرْبَعَةُ أَلْفٍ فِي أَرْبَعَةِ وَ فَرَضٌ لِابْنِ عُمَرَ ثَلَاثَةُ أَلْفٍ وَ خَمْسَمِائَةِ فَتَقِيلُ لَهُ هُوَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ فَلَمْ تَقْصُدْ مِنْ أَرْبَعَةِ أَلْفٍ فَقَالَ لَمَّا هَاجَرَ بِهِ أَبَوَاهُ يَقُولُ لَيْسَ هُوَ كَكُنْ هَاجِرٌ بِنَفْسِهِ۔ (بخاری کتاب المغازی، باب عبدة الحب)

• عمرؓ نے سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں کے لئے پندرہ ہزار میں اسلام آباد ہزار (دو ہزار مقرر کئے تھے۔ (لیکن اپنے بیٹے (عبد اللہ) کے لئے ساڑھے تین ہزار مقرر کئے۔ پوچھا گیا کہ وہ بھی تو اولین مہاجرین میں سے ہیں پھر آپ نے انکے لئے کیوں کم کی۔ بتایا کہ انکی ہجرت اپنے والدین کے ساتھ ہوئی۔ وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتے جس نے خود سے ہجرت کی۔

كَانَ عَطْلَةُ الْبَدْرِ بَيْنَ خَمْسَةِ أَلْفٍ خَمْسَةِ أَلْفٍ وَ قَالَ عُمَرُ لَا فَضْلَ لَهُمْ عَلَى مَنْ بَعْدَهُمْ۔ (بخاری کتاب المغازی باب البدن)

• عمرؓ نے جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کا سالانہ ولایت پانچ پانچ ہزار دینار مقرر کیا تھا۔ مقرر کئے تھے کہ میں انہیں انکے بعد والوں پر ضرور فضیلت دوں گا۔

خود طلب بات ہے کہ یہ مہاجرین اولین و اصحاب بدر کس مسجد کے امام تھے؟ کہاں موذن تھے؟ کون سے مدرسے میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے، کس کے نکاح پر جاتے تھے؟ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مہاجرین اولین اور جنگ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی لیکن مساجد چند ہی تھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ وظائف امامت، موذن، مفتی یا کسی اور دینی خدمت کے معاوضے کے طور پر مقرر نہیں کئے گئے تھے بلکہ یہ وظائف عورتوں، مردوں، بچوں، بڑوں سب کو انکے ایمان، ہجرت اور شرکت غزوات میں بہت کی نسبت سے دئے گئے تھے۔ کیا یہ عورتیں بچے بھی کسی مسجد کے امام و موذن تھے؟

اور اتنی وسیع مملکت کے لوگوں کو ہزاروں کے حساب سے فی کس سالانہ دینے والے خلیفہ المسلمین کا اپنا کیا حال تھا؟ وفات کے وقت بیٹے سے فرماتے ہیں:

يا عبد الله بن عمر انظر ما على من الدين فعسوه
فوجدوه ستة و ثمانين الفا او نحوہ قال ان و في له
مال ال عمر فاده من اسوالهم والا فسل في بني
عدي بن كعب فان لم تق اسوالهم فسل في قريش
ولا تعدم الى غيرهم فادعني هذا المال
كتاب المناقب باب البيعة والاتفاق على عثمان بن
عقان

”اے عبد اللہ بن عمر! دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟“ جب لوگوں نے آپ پر قرض کا شمار کیا تو تقریباً پچاسی ہزار نکلا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا کہ اگر یہ قرض آل عمر کے مال سے لیا ہو سکے تو انہی کے مال سے اس کی ادائیگی کرنا اور نہ پھر بنی عدی بن کعب سے کھانا، اگر نکلے مال کے بعد بھی ادائیگی نہ ہو سکے تو قریش سے کھانا، ان کے سوا کسی اور سے امداد طلب نہ کرنا اور میری طرف سے اس قرض کی ادائیگی کر دینا۔

اتنی بڑی مملکت کے امیر پر آخر اس قدر قرض کیسے ہوا؟ کیا بیت المال سے وہ کچھ نہیں لیتے تھے؟

انما انا ومالككم كقول اليتيم ان استغثت استغثت
وان افقرت اكلت بالمعروف .
الخراج للإمام ابو يوسف صفحہ ۲۰

”مجھ کو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں محض اتنا ہی حق ہے جتنا کہ یتیم کے ولی کو اور اگر میں حق ہوگا تو اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت پڑگئی تو معروف کے مطابق ہی کھائے کیلئے لوں گا۔“

دین کو دکانداری اور بیوپار بنانے والوں کا طرز عمل قرآن و حدیث سے براہ راست متصادم ہے۔ یہ لوگ سب کچھ جانتے ہیں مگر مال

وزر نے انکی آنکھیں خیرہ کر دی ہیں، آخرت سے قطعاً بے نیاز وہ بے پرواہ ہیں، بس دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں، اس کمائی کو جائز ثابت کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو طرح طرح شکوک و شبہات پیدا کرتے اور حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ امام مسجد میں امامت کرنا ہے وہ کہاں سے کھائے گا، کبھی کہا جاتا ہے کہ معلم جو دنیاوی کاموں سے فارغ ہو کر اپنے اوقات قرآن کریم کو پڑھانے کے لئے وقف کرنا ہے اس دوران وہ اپنی معاش پیدا نہیں کر سکتا، وہ کہاں سے کھائے گا؟ اپنی گزربسر کس طرح سے کرے گا؟ کبھی کہتے ہیں کہ امام، موذن، مفتی اور معلم تو وقت کی اجرت لیتے ہیں، نماز، اذان یا فتویٰ یا علم کی نہیں۔ ظالم اسی پر بس نہیں کرتے، بعض دیدہ دلیر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انبیاء کہاں سے کھاتے پیتے تھے؟ اس طرح کی حیلہ سازی اور شوشہ بازی کی جاتی ہے اور یہی ان کا سہارا ہے۔ ان حیلوں اور شوشوں سے قرآن و حدیث کی ناجائز ٹھہرائی ہوئی چیزیں جائز ہونے سے رہیں۔ نماز ہر مسلم پر فرض ہے، بندگی کا انداز اور عبادت و طاعت ہے۔ عبادت و طاعت کا اجر اللہ کے پاس ہے اور آخرت میں ملنے والا ہے۔ نماز، عبادت اور طاعت فروش کیا قرآن کا مطالعہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

واقاموا الصلوة واتوا الزكوة لهم اجرهم عند ربهم
البقرة ۱۷۷

”اور جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں انکے لئے انکے رب کے پاس اجر ہے۔“

نماز جس کا اجر اللہ کے پاس ہے امام صاحب چند نکلوں کے عوض مسجد کی کمیٹیوں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں۔ انکی طرف سے تنخواہ بڑھانے کا بار بار مطالبہ کیا جاتا ہے۔ خوش الحان قاری اور چرب زبان خطیب کی ڈیمانڈ زیادہ ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی دوسری مسجد کے مصلحین کی طرف سے کچھ زائد کی پیشکش پر یہ قاری، خطیب، امام صاحب کم کی جگہ کو خیر یاد کر زیادہ کو اللہ کا فضل قرار دیتے ہوئے نئی مسجد و منبر کی ذمہ داری سنبھال لیتے ہیں۔ امام و خطیب صاحب کی

کوشش ہوتی ہے کہ اپنی قرأت اور خطابت و دعا سے انتظامیہ اور مسجد میں آنے والے لوگوں کو خوش رکھ سکیں۔ یہ پیشہ ور امام اور خطیب جب کسی مسجد میں ذمہ داری سنبھالتے ہیں تو سب سے پہلے مسجد کمیٹی اور نمازیوں کے مسلک اور رجحان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر ”جیسا دیکھو ویسا بھینیں“ کے قائل بن جاتے ہیں۔ افسوس صد افسوس! اس دین، عبادت و طاعت فروشی پر ان لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اپنی نمازیں تو انہوں نے فروخت کر دیں، وہ جو خود ان پر فرض تھیں ان کا کیا ہوا؟ وہ کہاں ادا ہوئیں؟ امام صاحب نماز کے اوقات میں امامت کرتے باقی اوقات میں تو فارغ ہوتے ہیں اس میں اپنے ہاتھ سے محنت کر کے اپنی معاش پیدا کریں۔ اپنے اور اپنے گھر کے لئے حلال رزق پیدا کرنا بھی ان پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معاش سے بے پرواہ ہو کر امامت کرنا تو فرض نہیں کیا ہے۔ اسی طرح کا معصوم اور مقتیان دین کا معاملہ ہے۔ قرآن و حدیث کا علم پھیلاتا تو تبلیغ ہے اور تبلیغ پر معاوضہ لینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ ہر مسلم پر فرض ہے کہ قرآن و حدیث کا علم سیکھے اور اس کو سکھائے۔ یہ بھی ایک مجاہدانہ عمل ہے کہ مسلم اپنے وقت اور اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کے کچھ حصے کو معاشی ضرورتوں سے بچا کر دین سیکھنے اور سکھانے پر صرف کرے اس کے لئے کچھ مفادات کی قربانی ناگزیر ہے۔ جب دین کے بنیادی تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے ہر آدمی قرآن و حدیث سیکھے گا اور اسکو سکھائے گا تو ہر وقت اس کام میں مشغول رہنے کا سامان نہ بن سکے گا۔ قرآن و حدیث کو بطور پیشہ سیکھنے کے بجائے دین پر عمل کرنے اور کروانے کیلئے سیکھنا چاہیے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ کبھی خیر اور نیکی کی دعوت دینے والے کو عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من دل علی غیر فہذہ مثل اجر فاعلم ، مسلم ،

ابو داؤد ، ترمذی

”جو غیر نیکی کا راسخ ہونے والے کو نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملتا

ہے۔“

خود فرمائیے: کتنا بڑا اجر و انعام ہے یہ! اور دنیا کی ساری دولت اس کے مقابلے میں بلاشبہ ”ثمن قلیل“ ہے۔

دین اور قرآن و حدیث کے علم کو اللہ کی رضا اور آخرت کے حصول کے لئے سیکھنا چاہیے، دنیا کمانے اور ریاکاری کے مقاصد کے تحت انکو سیکھنے والے قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہ پاسکیں گے اور اس دن انکا جو حال ہوگا وہ حدیث میں بیان ہوا ہے:

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تعلم علما مما یستغنی بہ وجہ اللہ عزوجل لا یصلحہ الا لیصیب بہ عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیمة ، یعنی ربحہا۔ (ابو داؤد)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی رضا چاہے جائے والا ہم کسی دنیاوی فرض کے لئے حاصل کرے تو قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا۔“

ورجل تعلم العلم وعلمہ وقرأ القرآن فاتی بہ فعرّفہ نعمہ فعرّفہا قال فما عملت فیہا قال تعلمت العلم وعلمتہ وقرأت فیک القرآن قال کذبت ولکنک تعلمت العلم لیقال عالم وقرأت القرآن لیقال هو قاری فقد قیل ثم امر بہ فمسح علی وجہہ حتی التی فی النار ، مسلم کتاب الامارۃ من فائل للریاء والسمعة استعق النار

”ایک اور شخص ہوگا جس نے دین کا علم سیکھا اور سکھایا اور قرآن پڑھا ہوگا اسکو اللہ کی بدگاہ میں بخش کیا جائے گا اسے نرم نصیحتیں دیکھائی جائیں گی، وہ انہیں پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے انکے پاس میں کیا عمل کیا (یعنی انکا کیا حق ادا کیا)۔ وہ کہے گا کہ میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور نبی خوشنودی کے لئے قرآن پڑھا۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے گا، تو مجھ سے ہے، تو نے صرف اس لئے علم سکھا تھا کہ
مجھے عالم کما جائے اور اس لئے قرآن کریم پڑھا کہ مجھے قادی کما جائے،
پس مجھے کیا جانیکا۔ پھر حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹے ہوئے
جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

آج دین اور قرآن کو پیٹنے کے طور پر سمجھنے والے اور دنیاوی
فائدے سمیٹنے والے باطل موقف کو حق ثابت کرنے کے لئے کیسی ہی
چرب زبانی کیوں نہ کر لیں لیکن یوم الظہان انکی ایک نہ چلے گی۔ قیامت
کے روز یہ اسے اللہ کی خوشودی کی خاطر سمجھنے کا جھوٹ بولیں گے مگر
اللہ کی بارگاہ میں جھوٹ کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

امت کے احبار اور جہان جو کہ دین کے بیوپاری بنے ہوئے ہیں،
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حصین کے نقش قدم پر چلنے کے بلند و بانگ
دعوے کیا کرتے ہیں مگر درحقیقت صحابہ کرام کے طرز عمل کا ان میں
ثابتہ تک نہیں پایا جاتا۔ صحابہ کرام سے بڑھ کر کون دین کو سمجھنے اور
سکھانے والا تھا۔ مگر ان کا حال یہ تھا کہ اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کمایا
کرتے تھے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے،

عن عمرو قال قالت عائشة كان اصحاب رسول
الله صلى الله عليه وسلم عمال انفسهم وكان يَكُون
لهم ازواج فقيل لهم لو اغسلتم . (بخاری
کتاب البیوع)

عمروؓ نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اپنے لیے مزدوری کیا کرتے تھے اور (زیادہ
محنت محنت کی وجہ سے ان کے جسم سے پینے کی پو آتی تھی، اس
لئے ان سے کہا گیا کاش وہ غسل کر لیا کرتے۔

عن انس بن مالک قال جاء ناس الى النبي صلى الله
عليه وسلم فقالوا ان ابعت معنا رجلاً يعلمونا
القران و السنة فبعت اليهم سبعين رجلاً من
الانصار يقال لهم القراء فيهم خالي حرام يفرقون

القران ويتدارسون بالليل يتعلمون وكانوا بالنهار
يحيثون بالعلم فيضعونه في المسجد ويعتطبون
فبيعونه يشترون به الطعام لاهل الصفة و
للفقراء . (مسلم کتاب الامارة، باب ثبوت
الجنة للشهيد)

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم نے ساتھ چند آدمی کر بیچنے جو ہمیں
قرآن و حدیث سکھائیں۔ آپ نے ان کے ساتھ ستر انصاروں کو کر دیا
جنہیں قرآن پڑھتے تھے، ان میں سے میرے ہاں حرام بھی تھے۔ یہ قرآن
کریم پڑھا کرتے تھے اور رات کو قرآن کے درس و تدریس اور سمجھنے
میں مصروف رہتے اور دن میں پانی لاکر مسجد میں رکھتے اور (جنگل)
سے لکڑیاں لاکر فروخت کر کے کھانا خرید کر اہل صفہ اور دیگر فقرہ کو
کھلایا کرتے۔

یہ تھا صحابہ کرام کا طرز عمل جو دین کو سب سے زیادہ سمجھنے اور
سکھانے والے تھے اور آخرت کے اجر کے سب سے زیادہ حریص تھے۔
ان کا یہ طرز عمل کیوں نہ ہوتا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت ہی تھی،

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لان يعتطب
احدكم حذمة على ظميره خبير من ان يسأل احداً
فيعطيه او يمنعه . (بخاری کتاب البیوع
باب كسب الرجل)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جو لکڑی کا گٹھا
اپنی پیٹھ پر لاد کر بیچتا ہے اور اپنی دونوں کتاب ہے اس سے بہتر ہے
جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے چاہے وہ اسے کچھ دے یا نہ دے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم لان ياخذ احداً
اجله خبير له من ان يسأل الناس (ایضاً)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی
رسی منجھالے (اور لکڑیاں ہاتھ کر لائے تو اس بات سے بہتر ہے کہ

لوگوں سے سوال کرے۔

عن مقدم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال
ما أكل أحد طعاماً قط خيراً من أن يأكل من عمل
يده إن نبي الله داود عليه السلام كان يأكل من عمل
يده . (بخاری)

مقدم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی
ہوگی جو خود اپنے ہاتھ سے کھا کر کھاتا ہے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام
بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔

غور فرمائیے! داؤد علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے اقتدار کے ساتھ
بے پناہ شان و شوکت عطا فرمائی تھی، اسکے باوجود وہ ہاتھ کی کھائی پر ہی
گزارہ کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ مال کے لئے سوال کرنے میں کس قدر حزم و احتیاط
سے کام لیتے تھے اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے ہوگا۔

إن حکیم ابن حزام قال سألت رسول الله صلى الله
عليه وسلم فاعطاني ثم سأله فاعطاني ثم قال لي
يا حکیم ان هذا المال خضر حلو فمن اخذه
بسخره نفس يورث له فيه ومن اخذه باشراف
نفس لم يوارث له فيه وكان كالذي يأكل ولا يشبع
واليد العليا خير من اليد السفلى قال حکیم فقلت
يا رسول الله والذي بعثك بالحق لا ارضاه احدا
بعدك شيئا حتى افارق الدنيا فكان ابو بكر يدعوا
حکیماً ليعطيه العطاء فيأتي ان يقبل منه شيئا ثم ان
عمر دعاه ليعطيه فأتى ان يقبله فقال يا عمر
المسلمين اني اعرض عليك حقه الذي قسم الله له
من هذا الفى فيأتى ان ياخذهُ فلم يرزاه حکیم احدا
من الناس بعد النبي صلى الله عليه وسلم حتى توفي .

بخاری کتاب الجہاد والسير باب تالیف قلوبہ

حکیم بن حزامؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سے کچھ پوچھا، آپ نے عطا کیا، میں نے پھر پوچھا، آپ نے پھر
عطا کیا اور کہا کہ حکیم یہ بل سرسبز و شیریں باغ ہے، ظاہر میں بڑی
میٹھی چیز ہے (مگر اسکا دستور یہ ہے کہ اگر یہ دل کے اشتیاق سے ملے
تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو تو اس
میں برکت نہیں ہوتی بلکہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے جوع البقر کی بیماری ہوا کہ
بوقت کھانے جلتے اور ہائٹ نہ بھرے۔ اور والا (یعنی دینے والا)
ہاتھ لگے والے (یعنی لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیمؓ نے کہا کہ
اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ حق کے ساتھ
مبعوث فرمایا اسکے بعد میں اب کسی کو اہل کے لئے انہیں سناؤں گا
یہاں تک کہ اس دنیا سے ہی چلا جاؤں۔ پھر اللہ بکرہ انہیں اپنے دور
خلافت میں اعلیٰ دین کے لئے بلاتے تھے مگر یہ کچھ بھی قبول کرنے
سے انکار کر دیتے۔ اسکے بعد عمرؓ اپنے دور میں انہیں کچھ دینے کے
لئے بلاتے رہے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر عمرؓ نے (لوگوں کے
اجتماع میں) کہا کہ اے مسلمانو! تم گواہ رہنا میں حکیم کو اس مال
میں سے انکار حصہ دے جاؤں جو اللہ نے رکھا ہے لیکن وہ نہیں لیتے۔
فرمیں حکیمؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرنے تک کسی سے کچھ
نہیں لیا۔

کسی بھی صحابی نے دین کو پیش نہیں بنایا۔ سب کے سب ہم
ہاتھ سے کسب معاش کرنے والے تھے۔

ان عائشة قالت لما استخلف ابو بكر الصديق
قال لقد علم قومى ان حرفة لم تكن تعجز عن
موتة اهل وشغلت بامر المسلمين فسيأكل الى ابى
بكر من هذا المال ويعترف للمسلمين فيه
بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل

عائشہؓ نے کہا کہ جب ابو بکر صدیقؓ علیہ السلام نے انہوں نے

کہا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا کلابہار میرے گھر والوں کی کفالت کے لئے ناکافی نہیں تھا، لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں اس لئے اب بکر کے گھر والے بہت اہل میں سے کھائیں گے اور اب بکر مسلمانوں کا اہل تجارت سے بڑھتا رہے گا۔
عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بھی ملاحظہ ہو۔

قال كنت انا وجار لي من الانصار في بني امية بن زيد وهم من عوال المدينة وكما تتناوب النزول على رسول الله صلى الله عليه وسلم ينزل يوما والنزل يوما فاذا نزلت جئت به بغير ذلك اليوم من الوحي وغيره واذا نزل فعل مثل ذلك .
بخاری ، کتاب العلم ، باب التناوب في العلم

” فرمایا کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی دونوں بنی امیہ بن زید کے گاہن میں جو حدید کے بلند علاقے میں ہے ، ہا کرتے تھے ، ہم دونوں بادی بادی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز وہ آتا اور ایک روز میں ، جس دن میں آتا تو اس دن کی (مجلس نبوی) کی ساری خبریں ، وحی وغیرہ (جو اس دن آپ پر آئیں) اسکو جاتا اور جس دن اسکی حاضری ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔“

اور ظاہر ہے کہ وہ ایک دن کا نانہ معاش کی مصروفیات کی وجہ سے کرتے تھے ورنہ مجلس نبوی سے غیر حاضری اور علوم نبوت سے دوری انہیں گوارا نہ تھی اگرچہ وہ ہامیں انہیں بعد میں معلوم ہو جاتی تھیں۔ اپنے اس حقوق اور اپنی غیر حاضری میں ہونے والی حدیثوں سے لاعلم رہنے پر افسوس کا اظہار انہوں نے اس موقع پر کیا جب ابو موسیٰ اشعریؓ نے انہیں بتایا کہ وہ اس لئے انکے دروازے سے داخل ہو گئے کہ عین دفعہ سلام کرنے پر بھی جواب نہ آیا تھا اور یہی فرمان نبوی تھا۔ عز نے فرمایا،

اخطى على من امر رسول الله صلى الله عليه وسلم الهان الصنف بالاسواق يعنى الخروج الى التجارة .
بخاری کتاب البیوع باب الخروج في التجارة

” افسوس تجھ کو بدادوں میں مصروفیت یعنی تجارت نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم سے داخل رکھا۔“

عثمان رضی اللہ عنہ کا تجارت کرنا تو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ غرض تمام ہی کبار اور صغار صحابہؓ حکم نبویؐ کی روشنی میں اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کھاتے تھے اور کسی ایک نے بھی دین کو کھانے کھانے کا ذریعہ نہیں بنایا تھا۔

صحابہ کرامؓ کے طرز عمل پر چلنے والے اپنی روزی محنت ، تجارت اور دیگر حلال ذرائع استعمال کر کے حاصل کرتے ہیں۔ دین کو پیشہ بنانے والے نہ قرآن وحدیث پر چلتے ہیں نہ صحابہ کرامؓ کے نقوش قدم پر۔ قرآن وحدیث کو چھوڑنے اور اسکی مخالفت کرنے والوں سے صحابہ کرامؓ کی پیروی کی توقع ہی صحت ہے۔

نماز پڑھانے کی اجرت لینے کے لئے ایک برآمدہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ نماز پڑھانے کی اجرت نہیں لی جاتی بلکہ جائے مستحقین پر وقت دینے کی تحفہ لی جاتی ہے۔ جائے مستحقین پر وقت دینے کی اجرت لینے کا برآمدہ انتقال شوشہ ہے۔ وقت محض امام صاحب ہی نہیں دیتے تمام نماز ادا کرنے والے اقامت الصلوٰۃ کے لئے وقت دیتے ہیں۔ عبادت میں صرف ہونے والے وقت کو CASH کرانا عبادت نہیں مزدوری و دکانداری ہے۔ درحقیقت عبادات اور طاعت پر اجرت وصول کرنے والوں کا آخرت اور آخرت میں ملنے والے اجر پر یقین ہی نہیں ہے اسی لئے تو یہ اس دنیا میں ملنے والے اجر پر اصرار کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کے متعلق خیر صادق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی،

سيعي اقوام يقيمونه كما يقيم القدرح يتعجلونه ولايتاجلونه
ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ
باب فضائل القرآن

” عنقریب ایسی قومیں آئیں گی جو قرآن کے زیر زرا کو ایسے سیدھا کریں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے (لیکن قرآن کے اجر میں جلدی کریں گے اور اسکو آخرت پر نہ رکھیں گے۔“

آخرت کے اجر کے لئے حکم دیا کہ

يا اهل القرآن لا تتوسدوا القرآن وتلقوه حق تلاوته
من اثناء الليل والنهار وافشوه وتغنوه وتدبروا
ما فيه لعلكم تعلمون ولا تمجّلوا ثوابه فان له ثوابا
مشكورا ايضا

”اے قرآن والو! قرآن کو نیکہ نہ بناؤ، رات اور دن میں اسکی
طاعت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور اسکو پھیلاؤ اور اس کو خوش
الطبی سے پڑھو، اور اس میں غور و فکر کرو تاکہ تم علاج پاسکو اور اسکی
ثواب میں جلدی نہ کرو کیونکہ آخرت میں اس کا ثواب بڑا ہے۔“
اس آخرت کے اجر سے متعلق اللہ کی کتاب کہتی ہے:

ولا نضع اجر المحسنين ولا اجر الاخرة غير للذين
امنوا وكانوا يتقون (سورہ یوسف ۵۲، ۵۳)

”اور ہم نیکہ کاروں کے اجر حلال نہیں کرتے اور جو لوگ ایمان
لائے اور ڈرتے رہے انکے لئے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔“

ولا اجر الاخرة اكبر لو كانوا يعلمون (النحل ۳۱)

”اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش وہ اسے جانتے۔“

اور حدیث میں ہے کہ:

اللهم ان الاجر اجر الاخرة (بخاری، کتاب

المناقب، باب مناقب الانصار)

”اے اللہ! اجر تو آخرت کا اجر ہے۔“

مگر یہ بھی دراصل انہی کے لئے ہے جو ”لا عیش الا عیش الاخرة“ یہ
چھین رکھتے ہیں کہ انکے لئے جو ان چند روزہ بہاروں ہی میں مست و
گمن ہوں!

انسان آخرت طلبی کے جذبہ سے اللہ کے دین کو خالص کر کے
یعنی امور انجام دے اور اپنی معاش کے لئے حلال ذرائع کی کوشش
کرتے تو اللہ تعالیٰ ہر جائدار کو رزق عطا فرماتا ہے۔ دین کے ذریعہ دنیا
کمانے میں گمن یہ بتاؤنی دیدار دنیا کے بندے بنے ہوئے ہیں دنیا کی

زندگی کو سب کچھ بیٹھے ہیں۔ ایمان والے اللہ کی خوشنودی اور اپنی
آخرت سنوارنا چاہتے ہیں، انکو آخرت کی جوابدہی پر پورا یقین ہے وہ
جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکے اعمال کا بھرپور بدلہ آخرت میں دے گا۔

وان تو امنوا وثقوا فلكم اجر عظیم آلی عمران ۱۷۱

اور اگر ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کر کے تو تمکو اجر عظیم ملے گا

وعملوا الصالحات لهم مغفرة

و اجر عظیم (المائدہ ۲)

”جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ نے وعدہ

فرمایا ہے کہ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید انسانیت کی ہدایت و رہنمائی
کے لئے نازل کی تھی تاکہ اس پر عمل کر کے آخرت کی بیش بہا نعمتوں
کو حاصل کر سکیں مگر ہوا یہ کہ اس قرآن کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا گیا۔
قرآن جو راستہ بتاتا ہے ملاحظہ ہو:

ان هذا القرآن يهدي للتي هي اقوم ويبشر المؤمنين

الذين يعملون الصالحات ان لهم اجرا كبيرا وان

الذين لا يؤمنون بالاخرة اعتدنا لهم عذابا اليما

یعنی اسرائیل ۹، ۱۰

”یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مومنوں کو

جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے اجر عظیم

ہے اور یہ بھی اذیتا ہے کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انکے لئے

ہم نے دکھ بھرا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

حدیث میں آیا ہے کہ

غيركم من تعلم القرآن وعلمه (بخاری)

”تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔“

یہ خیر اسی صورت میں ممکن ہے جب خیر کو خیر ہی سمجھنے دیا جائے

چند لگوں کے عوض اسے نیچے والے آخرت میں خیر پانے سے رہے۔

اللہ تعالیٰ حق کو حق سمجھ کر مان لینے اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے

باقی صفحہ نمبر ۲۸ کا کام نمبر ۲

داؤد علیہ السلام

تحریر

نسیم الدین ضرم

داؤد علیہ السلام کا دور بھیسی علیہ السلام سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے کا ہے۔ اس وقت حالات یہ تھے کہ قوم بنی اسرائیل شدید تفرقہ کا شکار تھی، موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی اجتماعییت آہستہ آہستہ ختم ہوتے ہوئے اس حال کو پہنچ چکی تھی کہ ہر قبیلہ اپنا ایک خود مختار علاقہ رکھتا تھا۔ ان کی بد نظمی سے دوسری اقوام غامدہ اٹھا کر انہیں مستقل کمزور کرنے میں لگی رہتی تھیں۔ چنانچہ فلسطینی قوم نے ان پر مسلسل حملے کر کے انکو ان کے علاقوں سے بے دخل کر دیا حتیٰ کہ عہد کا صندوق (Arc of Covenant) جس کا ذکر قرآن میں ”تابوت سکینہ“ کے نام سے کیا گیا ہے بھی چھین کر لے گئے۔ بالآخر بنی اسرائیل میں یہ جذبہ بیدار ہوا کہ وہ اپنی کمزوریاں دور کر کے اپنے دشمنوں سے لڑیں تاکہ انکی ایک خود مختار ریاست ہو۔ اسکے لئے انہوں نے وقت کے نبی کے سامنے درخواست کی کہ آپ کسی کو ہم پر بادشاہ مقرر کریں تاکہ اسکی قیادت میں ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ سورۃ البقرہ میں اس واقعے کا ذکر یوں آتا ہے۔

الم تر لى السلاماء من بنى اسرائيل من بعد موسىٰ
وانصرنا على القوم الكافرين (البقرہ ۲۴۷ تا ۲۵۰)

”پھر تم نے اس معاملے پر بھی غور کیا، جو موسیٰ کے بعد سرداران بنی اسرائیل کو بخش آیا تھا، جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا: ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کرو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ نبی نے پوچھا: کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور پھر تم نہ لڑو۔ وہ کہنے لگے: بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں، جبکہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے

مصلحت کے دن خداوند تیری ہے، یعقوب کے خدا کا نام تجھے ہندی پر قائم کرے، وہ مقدس سے تیرے لئے نیک بھیجے، اور صیون سے تجھے تقویت بخشنے، وہ تیرے سب بدیوں کو یاد رکھے، اور تیری سوغتی قربانی کو قبول کرے، وہ تیرے دل کی آرزو بر لائے، اور تیری سب مشورت پوری کرے، ہم تیری نجات پر شادیاں۔ بجائیں گے، اور اپنے خدا کے نام پر جھنڈے کھڑے کریں گے، خداوند تیری تمام درخواستیں پوری کرے، اب میں جان گیا کہ خداوند اپنے مسوح کو پھیلاتا ہے، وہ اپنے دہنے ہاتھ کی نجات بخش قوت سے اپنے مقدس آسمان پر سے اسے جواب دے گا، کسی کو رتھوں کا اور کسی کو گھوڑوں کا بھروسہ ہے، پر ہم تو خداوند اپنے خدا ہی کا نام لیں گے، (زلور، پہلی کتاب، مزمور ۱۰۸) مزامیر داؤد سے وادی اور کوہ سارگون اٹھے میں اور پہاڑ اور پرندے انکے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کے گیت گاتے ہیں۔

انبیاء بنی اسرائیل میں داؤد علیہ السلام مشہور اور جلیل القدر نبی ہیں۔ بنی اسرائیل کی بادشاہت اور نبوت سے انہیں سرفراز فرمایا گیا تھا۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ داؤد علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ ”زلور“ انہی پر نازل کی گئی تھی۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۱۔ سورۃ النساء آیت ۱۱۳۔ سورۃ المائدہ آیت ۷۸۔ سورۃ الانبیاء آیات ۷۸ تا ۸۰۔ سورۃ النمل آیت ۱۵۔ سورۃ سبا آیات ۱۰ اور ۱۱ اور سورۃ ص آیات ۷۶ تا ۷۸ میں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے حالات کہیں مختصر اور کہیں تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اسکے علاوہ سورۃ الانعام آیت ۸۸ اور سورۃ بنی اسرائیل آیت ۵۵ میں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔

ہل چکے ہم سے جدا کر دئے گئے ہیں۔ مگر جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا۔ تو ایک قبیلہ قہلان کے سوا وہ سب پیٹھ موز گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے۔ انکے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طاوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے۔ ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا بادشاہ نہیں ہے۔ نبی نے جواب دیا۔ اللہ سنے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو ملی و جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اچھا ملک جسے چاہے دے۔ اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اسکے علم میں ہے۔ اسکے ساتھ انکے نبی نے انکو یہ بھی بتایا کہ اللہ کی طرف سے اسکے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسکے عہد میں نہ حدود کی قسمیں دائیں مل جائے گا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے سکون قلب کا سامن ہے۔ جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کا چھوڑا ہوا ترکہ ہے۔ اور جس کو اس وقت فریضے منجھالے ہوئے ہیں۔ اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔ پھر جب طاوت لشکر لے کر چلا تو اس نے کہا۔ ایک دریا پر اللہ کی طرف سے حمزہ بن علیؑ آئے ہیں۔ جو اس کا پانی پئے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی صرف وہ ہے جو اس سے پیاس نہ کھائے۔ ہاں ایک آدمہ پلہ کوئی پلے تو پی لے۔ مگر ایک گروہ قبیل کے سوا وہ سب اس دریا سے سیراب ہوئے۔ پھر جب طاوت اور اس کے مومن ساتھی دریا پار کر کے آگے بڑھے۔ تو انہوں نے طاوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں طاوت اور اسکے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے۔ انہوں نے کہا۔ بابا ایسا ہوا ہے کہ ایک قبیلہ گروہ اللہ کے افق سے ایک بڑے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔ اللہ سیر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ اور جب وہ طاوت اور اسکے لشکروں کے مقابلے پر نکلے۔ تو انہوں نے دعا کی۔ اے ہمارے رب! ہم پر سیر کا فیصلہ کر۔ ہمارے قدم

جھڑے اور کاڑ گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر۔

جناب طاوت کے اس لشکر میں داؤد علیہ السلام بھی ایک عام سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔ فلسطی مشرکین کے لشکر میں طاوت نامی ایک گرانڈیل اور باہی گرامی یہودیوں تھا جسکی بہت شہرت تھی۔ وہ داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا جسکے بعد داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کی آنکھ کے مارے بن گئے اور سب نے انکی قوت و بہادری تسلیم کی۔ یہ جنگ فلسطی مشرکوں اور بنی اسرائیل کے درمیان فیصلہ کن جنگ تھی جس میں فلسطی اللہ کے حکم سے ہری طرح برباد ہوئے۔ وہ سری طرف طاوت سکینہ جس جگہ فلسطیوں نے رکھا تھا تو ریت کے بیان کے مطابق وہاں وہاں پھوٹ پڑیں۔ لہذا انہوں نے اسے سخوس کہہ کر ایک بیل گاڑی پر لا کر بیلوں کو بانگ دیا اور وہ بیل گاڑی بغیر کسی گھڑی بان کے فرشتوں کی حفاظت میں بنی اسرائیل کے پاس پہنچ گئی۔

داؤد علیہ السلام کی بہادری اور صلاحیتیں دیکھتے ہوئے جناب طاوت کے بعد ان کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنادیا گیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت بھی عطا فرمائی۔ داؤد علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل کی سلطنت میں بہت وسعت پایا ہوئی۔

داؤد علیہ السلام اللہ کے بہت شکر گزار اور اسکی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے بندے تھے۔ نہایت خوش الحانی سے اللہ کی تسبیح اور بڑائی بیان کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی قرأت اس قدر پسند تھی کہ اللہ نے اپنی دیگر مخلوق کو بھی انکے ساتھ ہم آہنگ ہو کر اپنی تسبیح کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَسَخَرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالِ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرِ وَكَانَ فَاعِلِينَ (الانبیاء: ۸۹)

اور داؤد کے ساتھ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو سحر کر دیا تھا جو تسبیح کرتے تھے اور یہ (سحر) کرنے والے ہم ہی تھے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا يَجِبَالِ اُوبَىٰ مَعَهُ وَالطَّيْرِ

(سبا: ۱۸)

”ہم نے داؤد کو اپنے پیس سے بڑا فضل عطا کیا تھا۔ اسے پہرہ، اسکے ساتھ (تسبیح) میں باہم آہنگ ہو چکا۔ اور یہی حکم ہم نے پرمعین کو بھی دیا تھا۔“

لنا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشي والاشراق
والطير معشورة كل له اواب (ص ۱۸، ۱۹)

”ہم نے پہاڑوں کو اسکے ساتھ سحر کر دیا تھا کہ صبح و شام دو اسکے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پندرہ سو آتے اور سب اسکی تسبیح کی طرف متوجہ ہو جاتے۔“

نہ صرف یہ کہ داؤد علیہ السلام کی طلوت زبور سے ارد گرد کا ماحول اور پرنسے اللہ کی بڑائی کے تصور سے انکی آواز میں آواز طاہر ہم آہنگ ہو جاتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انکے لئے زبور کی طلوت کو بہت آسان بھی کر دیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”داؤد علیہ السلام کے لئے قرآن کی طلوت آسان کر دی گئی تھی وہ اپنی سواری پر زین کسے جاتے کا حکم دیتے اور زین کسے جانے سے پہلے پورا قرآن طلوت کر لیتے تھے۔“ (صحیح بخاری، کتاب الاٰیۃ، باب قول اللہ وثبتنا علود زبوراً)

ذریعہ معاش

داؤد علیہ السلام ہمیشہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

”کسی انسان نے اس سے بہتر روزی نہ کھائی ہوگی جو اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے۔ داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔“

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرہل)

عبدالنامہ حقیق (تورات) کے مطابق جب موسیٰ نبی داؤد علیہ السلام کو خلیفہ بنائے جانے کے متعلق اللہ کا حکم لے کر پہنچے تو آپؑ اسوقت بکریاں چرانے لگے ہوئے تھے (موسیٰ ۱۱، ۱۳، ۱۴)۔ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

”کوئی نبی ایسا نہیں گذرا کہ جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ اور میں

اللہ ہی صلی اللہ علیہ وسلم نے زور کے لئے قرآن کا لفظ اھمل کو ہے۔

بھی کچھ قیر لٹا دیا۔ پھر اہل مکہ کی بکریاں چراتا ہوں۔“ (صحیح بخاری، کتاب الاجارہ، باب رمی النعم علی قراریدا)

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو لوہے کی زرہ بنانے کا فن بھی سکھایا تھا، چنانچہ فرمایا:

وعلمته صنعة لبوس لكم لتحسنكم من باسكم
(الانبیاء: ۸۰)

”ہم نے اسے قہارے فہمے کے لئے زرہ بنانے کا کام سکھوایا تاکہ تم کو ایک دوسرے کی بد سے بچائے۔“

نبی اسرائیل کے ارد گرد کی فلسطی مشرک اقوام لوہے کا اسلحہ استعمال کرتی تھیں، انکے مقابلے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی فن زرہ گری سکھایا بلکہ لوہا ان کیلئے نرم کر دیا وہ جس طرح چاہتے لوہے کو ڈھال لیتے تھے

والناله الحديد ان لمعمل سينقت وقدر في السرد سبا ۱۰

”ہم نے لوہے کو انکے لئے نرم کر دیا تھا اس ہدایت کے ساتھ کہ زمین جلا اور انکے جلتے ٹھیک انداز سے پر رکھو۔“

داؤد علیہ السلام بہت بہادر تھے، کبھی دشمن کے مقابلے سے نہیں بھاگتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب الصیام، باب صوم داؤد)

داؤد علیہ السلام کی عبادت اور رجوع الی اللہ کا ذکر قرآن میں کئی جگہ آیا ہے اور احادیث میں نبی علیہ السلام نے بھی انکے عبادت الہی کے ذوق و شوق کو بیان کیا ہے، چنانچہ فرمایا:

”داؤد علیہ السلام احمد الناس الوکوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار انسان تھے۔“ (صحیح مسلم، جلد ۱، کتاب الصیام، باب النبی من صوم امرأ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ کے نزدیک روزے کا سب سے پسندیدہ طریقہ داؤد علیہ السلام کا طریقہ ہے، آپؑ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن بطور روزے کے رہتے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک صلوٰۃ کا سب سے زیادہ پسندیدہ طریقہ داؤد علیہ السلام کا طریقہ ہے کہ آپؑ آدمی رات تک سوتے تھے اور ایک تھلی صبح میں عبادت کرتے تھے، پھر بقیہ صبح

میں بھی سستے تھے۔" (صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب

احب المسلمون الى الله عز وجل، صحیح مسلم، کتاب العیم، باب النبی من صوم الامم)
صحیح بخاری، کتاب الصیام، باب صوم الدھر میں روایت ہے کہ جب عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صوم واؤد علیہ السلام سے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت مانگی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے افضل کوئی روزہ نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ قوم کبھی سیدھے راستے پر رہی ہے تو تھوڑی ہی مدت رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عافیت اور سرکشی سے انکی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اپنے سب سے زیادہ عزیز خواہوں یعنی اہلبیت و رسول علیہم السلام کو شک کرنا ان میں سے بعض کو قتل تک کر دینا اور اللہ کے احکام کی جیلے بہانوں سے کھلم کھلا خلاف ورزی کرنا انکا دستور رہا ہے۔ واؤد علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے روکا اور اسکے نتائج سے انہیں بہت خبردار کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لن الذين كفروا من بني اسرائيل على لسان داود وعيسى ابن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون
كانوا لا يفتاھون عن حكر ففعلوه ليحس ما كانوا يفعلون (المائدہ ۷۸، ۷۹)

یہ بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کی ہدایت کی اور حد سے بڑھ گئے تھے، لوگ جو ہرے کام کرتے تھے یہ انہیں ان سے نہ روکتے تھے۔ جو کچھ یہ کرتے تھے جیسا بہت بُرا تھا۔" (حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"پہلی خرابی جو بنی اسرائیل میں پڑی وہ یہ تھی کہ کوئی گنہگار کو برائی میں مبتلا نہ دیکھے تو اس سے کہے کہ اللہ سے ڈر اور اپنی حرکتوں سے باز

آجائے گا۔ یہ کام اچھا نہیں ہے۔ دوسرے دن صبح نہ کرنا اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں اور ان کی مجلسوں میں شریک نہ ہونا۔ جب انہوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا تو اللہ نے بھی انہیں کے دل بعض سے ملنے لگے یعنی سب ایک جیسے ہی ہو گئے۔ پھر آپ نے یہ قیامت طوفان قریبی کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر واؤد اور یحییٰ ابن مریم علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی گئی۔ پھر فرمایا اللہ کی قسم تم کو ضرور بھلائی کا حکم دیا اور برائی سے منع کرنا ہوگا اور ظالم کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے حق کی طرف ایسے تھکانا ہوگا جیسا کہ تھکانے کا حق ہے اور اسے حق پھر ٹھہرا دینا ہوگا جیسا کہ ٹھہرانے کا حق ہے۔" (اسنن ابوداؤد، کتاب المظاہم، باب الامر والنہی)

سنن ابن ماجہ، کتاب النہی، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر
بنی اسرائیل کی بدکرداری پر داؤد علیہ السلام کا دل جھلجھلا کر اٹھا تھا اسکا غم زبور کے بعض مزامیر میں آج بھی موجود ہے، چنانچہ ایک مزمور میں ہے،

"مومنوں نے ان قوموں کو بتا دیا کہ خداوند نے انکو حکم دیا تھا۔ بلکہ میں قوموں کے ساتھ مل گئے اور انکے سے کام لکھ گئے، اور ان کے جن کی پرستش کرتے تھے جو ان کے لئے پھندا بن گئے۔ بلکہ انہوں نے اپنے بیٹے بیٹیوں کو عیالین کے لئے قربان کیا، اور معصوموں کا یعنی اپنے بیٹے بیٹیوں کا خون بہا دیا جنکو انہوں نے کھانے کے پلوں کے لئے قربان کر دیا اور ملک غلوں سے تپا دیا ہو گیا، اچانک وہ اپنے ہی کاموں سے آلود ہو گئے اور اپنے فطوں سے بے وقوف بن گئے۔ خداوند کا قہر ان لوگوں پر بھڑکا اور اسے اپنی میراث سے غارت ہو گئی اور اسی نے انکو قوموں کے قبضے میں کر دیا اور ان سے عداوت رکھنے والے ان پر بھڑکے ہو گئے، انکے دشمنوں نے ان پر غم کیا اور وہ انکے محکوم ہو گئے، اس نے تو باب انکو پھریا لیکن انکا معصومہ بے وقوف ہی رہا اور وہ اپنی بدکاری کے باعث پست ہو گئے، تو جب بھی اس نے انکی فریاد سنی تو انکے دکھ پر غم کی اور اس نے ان کے حق میں اپنے عہد

کو یاد کیا اور اپنی شفقت کی کثرت کے مطابق ترس کھایا۔ اس نے ان کو اسیر کرنے والوں کے دلوں میں اٹکے لئے رحم ڈالا، اسے خداوند عبادت خدا، ہم کو بچالے اور ہم کو قوموں میں سے اکٹھا کرے تاکہ ہم تیرے قدوس نام کا شکر کریں اور شکارتے ہوئے تیری محتاج کریں۔ خداوند اسرائیل کا خدا ازل سے ابد تک مبارک ہو اور ساری قوم کے آئین، خداوند کی حمد کرو۔" (زبور، چوتھی کتاب، مزمور ۱۱۴)

ایک اور مزمور میں ہے کہ

"لیکن خدا شر سے بچتا ہے، تجھے میرے آئین میں کرنے سے کیا واسطہ؟ اور تو میرے حمد کو اپنی زبان پر کیوں لاتا ہے؟ جبکہ تجھے تربیت سے عداوت ہے اور میری باتوں کو بیٹھ بیٹھ بھینک رہا ہے۔ تو چور کو دیکھ کر اس سے مل گیا ہے اور زانیوں کا شریک بنا ہے، تیرے منہ سے بدی نکلتی ہے اور تیری زبان غیبتی ہے، تو بیٹھا بیٹھا اپنے بھائی کی غیبت کرتا ہے اور اپنی ماں کے بیٹے پر حسرت لگاتا ہے، تو نے یہ کام کئے اور میں خاموش رہا، تو نے گمان کیا کہ میں بالکل تجھ ہی سا ہوں، لیکن میں تجھے خامت کر کے انکو تیری آنکھوں کے سامنے ترتیب دوں گا۔ اب اسے خدا کو بھولنے والا، اسے سوچنا ایسا نہ ہو کہ میں تم کو پھاڑ ڈالوں اور کوئی چھڑنے والا نہ ہو۔" (زبور، دوسری کتاب، مزمور ۵۵)

نبی اسرائیل نے اپنے محسن اہلبیت پر طرح طرح کے جھوٹے الزامات لگا کر انکے کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں اپنی کتب مقدسہ میں درج کر دیا ہے تاکہ اپنی بدکرداری اور اللہ کی نافرمانی کو جواز مل جائے کہ ہمارے انبیاء ہی اس کردار کے تھے اس لئے ہم اگر ایسے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ چنانچہ آج بھی جو توریت، عہد حقیق کے نام سے پائی جاتی ہے اس میں جہاں دوسرے متحدہ انبیاء، سلیم، مٹھانوح، علیہ السلام، لوط علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یاردن علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے کردار پر جھوٹے الزامات لگائے گئے ہیں وہیں داؤد علیہ السلام جیسے اللہ کے

عبادت گزار اور اللہ سے ڈرنے والے اپنے محسن کا دامن کردار بھی انہوں نے ایک بہت بڑے الزام سے داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ نفل کفر کفر نہ باشد کے تحت یہ الزام ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

اور شام کے وقت داؤد اپنے چنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹپکنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو زبردستی قحی اور وہ عورت نہایت خوبصورت قحی۔ جب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العیم کی بیٹی بہت سیخ نہیں جو حتی اور یہ کی بیوی ہے؟ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلایا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی اکیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی قحی! پھر وہ اپنے گھر چلی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اس نے داؤد کے پاس صبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔ اور داؤد نے یوآب کو کھلا بھیجا کہ حتی اور یہ کو میرے پاس بھیج دے۔ سو یوآب نے اور یہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا۔

صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط کھا اور اسے اور یہ کے ہاتھ بھیجا۔ اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اور یہ کو تمہارے میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے بیٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جان بچیں ہو۔ جب اور یہ کی بیوی نے سنا کہ اس کا شوہر اور یہ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لئے ماتم کرنے لگی۔ اور جب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اسے بلوا کر اسکو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اسکی بیوی ہو گئی اور اس سے اس کے ایک لڑکا ہوا پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہوا۔

اور خداوند نے ناہن کو داؤد کے پاس بھیجا۔ اس نے اس کے پاس آکر اس سے کہا کہ کسی شہر میں دو شخص تھے۔ ایک امیر اور دوسرا غریب۔ اس امیر کے پاس بہت سے دیوڑ اور گٹے تھے۔ پر اس غریب کے پاس بھیڑ کی ایک ہتھیا کے سوا کچھ نہ تھا جسے اس نے خرید کر پلا تھا اور وہ اس کے اور اسکے بانی، بچوں کے ساتھ بڑی قحی۔ وہ اسی کے نواسہ میں سے نکلتی اور اسکے پیالے سے پیتی اور اسکی گود میں

سوئی تھی اور اسکے لئے بلور ہینی کے تھی۔ اور اس میرے کہ ہوں کوئی
مسافر آیا۔ سو اس نے اس مسافر کے لئے جو اسکے ہوں آیا تھا پکڑنے کو
اپنے ریلوے اور گد میں سے کچھ نہ لیا بلکہ اس غریب کی بھینٹ لے لی اور
اس شخص کے لئے جو اسکے ہوں آیا تھا پکڑی۔ جب داؤد کا غضب اس
شخص پر بھڑکتا ہوا اور اس نے جان سے کہا کہ خداوند کی حیثیت کی
قسم کہ وہ شخص جس نے یہ کام کیا واجب القتل ہے۔ سو اس شخص
کو اس بھینٹ کا چمکا بھرا پاؤں پکڑ کر اس نے ایسا کام کیا اور اسے ترس
نے آیا۔ جب جان نے داؤد سے کہا کہ وہ شخص قوی ہے۔

(سورہ صافات باب ۲۰) ۱۳۱۱
جنی اسرائیل چونکہ اپنے انبیاء کرام پر بخش قسم کے الزامات عائد
کرنے میں بڑے جہاک تھے اور ایسی ایسی باتیں جو ایک عام سطح کے
شریف آدمی سے منسوب کرتے ہوئے بھی انسان کو حیاء محسوس ہوتی
ہے وہ بغیر کسی پچھلیات کے اپنے نبیوں اور عسکروں کی طرف منسوب
کر دیتے تھے۔ چنانچہ انہی خرافات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے جسکو
بائبل میں اس طرح شک مریج لگا کر بیان کیا گیا ہے۔

اس کے مقابلے میں اللہ کی کتاب داؤد علیہ السلام کے حوالے
سے جو اصلی واقعہ بیان کرتی ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن دو فریق
مقدمہ داؤد علیہ السلام کے عبادت خانے میں دیوار چاند کو داخل ہو گئے۔
داؤد علیہ السلام انکے اس طرح اندر آ جانے پر گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا
آپ ڈرے نہیں۔ ہمارے درمیان ایک مقدمہ ہے۔ ہم میں سے ایک
فریق نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ اس لئے آپ ہمارے درمیان
انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر کے صحیح سمت میں ہماری
رہنمائی فرمائیں۔ اس میرے بھائی کے پاس تنازعے کو نبیوں میں جبکہ
میرے پاس صرف ایک ہی کو نبی ہے لیکن اسکا یہ مطالبہ ہے کہ میں اپنی
ایک کو نبی بھی اسکے حوالے کر دوں اور اس معاملے میں گفتگو کے دوران
بھی یہ تجھے زیر کر دیتا ہے۔ یہ سننے کے بعد داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم
سے کو نبی کا مطالبہ اس شخص کی طرف سے تمہارے ساتھ زیادتی ہے۔

اور یہ کہ اکثر اوقات ایک ساتھ رہنے والے لوگ ایک دوسرے پر زیادتیوں
کرتے رہتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور پھر انہوں نے
نیک عمل کئے اگرچہ ایسے لوگ ہمیشہ تھوڑے ہوتے ہیں۔ اسی اعتبار
میں داؤد علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے انکی
آزمائش کی ہے۔ چنانچہ یہ گمان ہوتے ہی وہ اللہ کی بارگاہ میں رجوع اور
معافی کے لئے جھک پڑے اور سجدہ ریز ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انکو
محظف فرمادیا۔ (حوالے کے لئے ملاحظہ ہوں سورہ صافات کی آیات ۲۵-۲۸)

یسو کے علماء نے اپنی مقدس کتاب میں اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام پر
یہ گھڑونا الزام لگا کر اسکو اس طرح اچھالا کہ یہ زبان زد عام و خاص ہو گیا
یہاں تک کہ بعض مفسرین قرآن نے سورہ صافات کی مذکورہ آیات کی تفسیر
کرتے ہوئے اس واقعہ کو تقریباً من و عن نقل کر دیا ہے۔ بعض نے اسکو
مسترد کیا اور بعض نے یسو کے الزام کو مسترد کرنے کا تاثر دینے کے
باوجود تاویل اور دور از کار موشگافیوں کے ذریعے اسرائیلی روایات سے
ایک طرح کی موافقت اور سازگاری پیدا کر کے معاملے کو مشکوک بنانے
کی کوشش کی ہے۔ مثلاً اس دور کے صاحب تقسیم القرآن سید ابوالاعلیٰ
مودودی صاحب جنہوں نے داؤد علیہ السلام کے قصور کی جو نبیوں
والے مقدمے سے مماثلت قرار دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ

”جو فعل ان سے صادر ہوا تھا۔ اس کے اندر خود بخود نفس کا کچھ
داخل تھا۔ اسکا حاکمہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق
تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی
فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔“ (تقسیم القرآن، جلد ۱۰، تفسیر
سورہ صافات، ماہیہ نمبر ۲۸۱۲)

جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یسو کے اس قصبان انگیز افسانے
جنی الزام کی تردید کے لئے واقعہ کی اصلی صورت بیان کر دی اور اس
واقعہ کو بیان کرنے سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو داؤد علیہ السلام
کے حوالے سے کفار و مشرکین کی طرف لگائے جانے والے الزامات
صبر کی تعظیم فرمائی ہے۔

اصبر علی ما یقولون والذکر عبدنا داؤد ذالید انه
اواب (ص ۱۶۷)

”صبر کرو ان باتوں پر جو وہ اہم کے خلاف کہتے ہیں اور یاد کرو
ہمارے بندے داؤد، قوت والے، کو، بلاشبہ وہ بہت زیادہ رجوع
کرنے والا تھا۔“

یعنی داؤد علیہ السلام کے اس واقعہ کے حوالے سے ان پر لگائے
جانے والے الزامات کی یاد آپ کو صبر کرنے میں مدد دے گی۔ پھر داؤد علیہ
السلام کی صفات عالیہ بیان فرمائیں، وہ ہمارا فرمانبردار بندہ، بندگی اور
اطاعت میں مستعد، بہت والا اور ہر وقت اللہ سے رجوع کرنے والا،
اللہ کی حمد و ثنا اور اسکی تسبیح بیان کرنے والا۔ اور فرمایا:

وشددنا ملکہ واتبہ الحکمة وفصل الخطاب
(ص ۱۶۷)

”ہم نے اسکی سلطنت کو مستحکم کیا اور اسکو حکمت اور فیصلہ کن بات
کہنے کی صلاحیت عطا کی تھی۔“

اور اس واقعہ کے بعد انکے بارے میں فرمایا:

وانہ عندنا للزلفی وحسن ماب (ص ۱۶۷)

”بلکہ اسکے لئے ہمارے ہاں تحریب کا مقام اور اچھا ٹھکانہ ہے۔“

اسطرح ان آیات کا سیاق و سباق اس واقعہ کی بنیاد پر گھڑے گئے
افسانے کی پر زور تردید کرتا ہے اور اسے سراسر لغو، بے ہودہ اور بے
بنیاد قرار دیتا ہے۔

قرآن میں مذکور اس واقعہ سے جو بات واضح طور پر سامنے آتی
ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو نبوت اور حکومت سے
نوازا تھا۔ داؤد علیہ السلام اپنے رب کے انتہائی شکر گزار اور عبادت
گزار بندے تھے انکی عبادت میں مشغولیت اس مضمون میں دی گئی
آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے حوالوں سے واضح کی گئی ہے۔
چنانچہ دو آدمیوں کے درمیان مقدمے پر مبنی اس واقعے کے ذریعے اللہ
تعالیٰ نے انہیں انکے فرائض منصبی کے تعلق سے انکی ذمہ داریوں کے

بارے میں خبردار کیا اور انکے مقابلے میں عبادات اور وکیم الہی میں اس
درجہ اہمیت و مشغولیت پر ایک طرح سے تنبیہ فرمائی۔ جیسا کہ بعد کی آیت
سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

یاد داؤد لما جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین
الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل
اللہ (ص ۱۶۷)

”اے داؤد، ہم نے تم کو زمین پر خلافت عطا کی ہے، اسلئے لوگوں کے
درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کی پیروی نہ کرو، یہ
تمیں اللہ کی راہ سے بھٹکائے دیتی۔“

یعنی اللہ کی بندگی کے تعلق سے آپ کے ذوق و شوق اور حسن
عبادت کی خواہش کا معاملہ اپنی جگہ لیکن اللہ کی طرف سے آپ پر
فرائض منصبی کی ادائیگی کا تقاضہ اپنی جگہ۔ اللہ کا نبی روشن ضمیر اور
صاحب بصیرت ہوتا ہے۔ اللہ کی بندگی کے رنگ ہی میں رنگا ہوا، اسکی
اطاعت و فرمانبرداری کا ہیکر ہوتا ہے۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام اس واقعہ پر
فورا کچھ گئے اور خبردار ہو گئے کہ انکے رب نے انکی آزمائش کی ہے، لہذا
اسکی بارگاہ میں جھک کر استغفار کرتے ہیں اور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں کہ وہ
بہت زیادہ اپنے رب سے رجوع کرنے والے تھے۔ مالک اپنے اصحاب کی
اسی طرح آزمائش کرتا ہے۔ یہی عصمت اصحابہ علیہم السلام کا اصول ہے
کہ اللہ ان نگران ہوتا ہے وہ اپنی منصبی ذمہ داریوں کے سلسلے میں اللہ
کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں اور اگر کبھی اسطرح کی کوئی معمولی لغزش
ہوتی ہے تو اللہ فوراً تنبیہ فرماتا ہے اور پھر رجوع الی اللہ کے ذریعے
معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

اسی حوالے سے یہاں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم
پر یہود، منافقین اور مشرکین کی طرف سے لگائے گئے الزامات کا ذکر بھی
مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی
پچھو پچھو زائد بہن و نسب، بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے منہ بولے
بیٹے (متبنی) زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ لیکن بعد ازاں

میں بیوی کے درمیان باہمی موافقت قائم نہ رہ سکی۔ زید بن حارثہ نے اس سلسلے میں نبی علیہ السلام سے شکایت بھی کی اور بیوی کو طلاق دینے کا اہتمام کیا مگر نبی علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو روکے رکھو یعنی طلاق سے منع فرمایا (صحیح بخاری، کتاب الاخصام بالکتاب والسناد۔ چنانچہ بالآخر جب زید بن حارثہ نے طلاق دیدی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے نسب رضی اللہ عنہما کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس موقع پر جیسا کہ نبی علیہ السلام کو اس بات کا عہدہ بھی تھا، یہود، منافقین اور مشرکین نے ایک دوسرے کی شہ پر مختلف انداز سے الزام تراشی کی۔ ایک طرف نبی علیہ السلام پر اپنے مذہب کے پیروں کی بیوی سے شادی کا اعتراض کر کے شور برپا کیا تو دوسری طرف یہود کی طرف سے داؤد علیہ السلام پر عہدہ کئے جانے والے الزام کی طرح یہ الزام بھی لگایا گیا کہ آپ نے خواہش نفس کے تحت زید بن حارثہ سے طلاق دلا کر نسب سے شادی کی۔

چنانچہ قرآن میں سورۃ الاحزاب کی آیات ۳۶ تا ۳۸ میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی تفصیل بیان کر کے ان اعتراضات و الزامات کی تردید فرمائی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عصمت پر ان ناروا الزامات کے ذریعے لگائے جانے والے داغ کو صاف کر دیا۔

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ذریعے ابوبکر علیہم السلام کے مقام پر تہ، مناقب و فضائل، ان کے سیرت و کردار کی بلندی، اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ان کے اخلاص و استقامت اور اللہ کی بارگاہ میں جو ابدی اور ہر حال میں اسی سے رجوع کرنے کے احساس و مرداری کو واضح کر کے ان کو انسانیت کے لئے اللہ کی بندگی کا ایک قابل تقلید نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن استقدر واضح تصریحات کے باوجود وہ بچے ایسے شفیق القلب و حمید ارادان ایمان و اسلام کی جرأت و جسارت کو جو ان نفوس قدسیہ کی عصمت اور ان کے کردار کو واقعہ کر نیوالے اعتراضات و الزامات کے سلسلے میں کتاب و سنت کی سچی تعلیمات اور ان کے محکم دلائل سے رجوع کرنے کے بجائے اسرائیلی روایات اور ان میں بیان کی گئے من

گھڑت قصے کہانیوں کی طرف رجوع کر کے انکو اپنی جھوٹی اور نفس پرستانہ تحویلات کی بنیاد بناتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں صوفیہ کے سلسلے کی ایک نامور اور معروف شخصیت، علی جویری المعروف بہ واتا گنج، بخش کی تصوف کے موضوع پر لکھی گئی "معزکۃ الآرا" کتاب "کشف الخب" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو جس میں انہوں نے یہود اور دوسرے دشمنان اسلام کی طرف سے داؤد علیہ السلام اور اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لگائے جانے والے مذکورہ بالا الزامات کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ دین تصوف کی اصطلاحات کے ذریعے ان کی ولیمہ ناولں بھی کردی تاکہ ان کے اندر سے عقیدہ قند انکی گستاخانہ جرأت پر بد مزہ ہونے کے بجائے، انکی حصول ناولں اور گمراہ کن موشگافی پر نجوم نجوم جائیں۔ ملاحظہ ہو۔

"جیسا کہ داؤد علیہ السلام جب بحالت صحت تھے۔ ان کے قوم النعلی انکی طرف سے وجود میں آتے تھے۔ اور اس وقت تک ان کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے انکی طرف ہی مضاف فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد ہے، و قتل داؤد جالوت۔ اور قتل کیا داؤد علیہ السلام نے جالوت کو۔ اور ہمدردی آقا و مہدی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حالت سکر میں تھے تو آپ کا ہر وہ فعل جو آپ کی طرف سے اللہ میں آیا اللہ تعالیٰ نے انکی اضافت اپنی طرف فرمائی اور کہا، و ما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمى اور وہ کفر میں تم نے اسے محبوب نہیں پھینکیں، جب تم نے پھینکیں وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں قصص۔ تو جب فعل حق مضاف ہو جودہ کی طرف تو جودہ خود قائم ہوتا ہے۔ اور جب جودہ کا فعل حق کی طرف مضاف ہو تو جودہ بحق قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ داؤد علیہ السلام کی نظر مبارک وہاں چلی جہاں چاہتے تھے۔ یعنی ایک صورت پر جو اور یا کی صورت تھی جسے دیکھا وہ ان پر حرام تھی۔ اور جب جودہ بحق قائم ہو گیا، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ نظر تو آپ کی بھی چلی اس طرح زید کی بیوی پر۔ مگر وہ بیوی زید پر حرام ہو گئی۔ اس لئے کہ وہ نظر جو داؤد علیہ السلام کی تھی وہ محض صوم میں

اللہ کی قدرت اور اس کا قانون

از: حکیم عبد الصمد

دین کو ذریعہ معاش بنانے والے مولویوں اور پیروں وغیرہ کے زیر اثر امت مسلمہ کے عقائد میں جہاں اور بہت سی خرابیاں در آئیں وہیں اللہ کی قدرت کے متعلق بھی کچھ غلط باتیں پھیلادی گئیں۔ چنانچہ آج اللہ کے دین میں کفریہ و شرکیہ عقائد داخل کرنے کے لئے اللہ کی قدرت کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس کا تجزیہ دین حق کی تبلیغ کرنے والے داعیان حق کو ضرور ہوا ہو گا جو قبر میں مدفون لاش کو قرآن و حدیث کی رو سے بے روح، زندگی سے خالی، حیات سے عاری، تربیت سے تہی، دیکھنے نہ سنے بولنے اور ہر صلاحیت سے محروم ثابت کرتے ہیں تو دنیاوی قبر میں اس لاش میں زندگی کے قائل مسلک پرست فوراً ”ان اللہ علی کل شیء قدير“ کہہ کر اپنے شرکیہ عقیدے کا ثبوت فراہم کرنے کی سجدہ نامراد کیا کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ سب کچھ کر سکتا ہے، وہ چاہے تو مردے کو قبر میں زندہ کر دے، وہ چاہے تو مردے کو سنو اے، وہ چاہے تو مردے کو دکھلا دے، بولو اے، وغیرہ وغیرہ اور اس کیلئے ”ان للہ یسمع من یشاء“ کا بھی سہارا لیا جاتا ہے۔

اللہ کی قدرت سے کسی مومن کو انکار نہیں ہو سکتا، بلا شک و شبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس کی قدرت کائنات کے ہر ذرے پر محیط و حاوی ہے۔ قرآن کی متعدد آیات میں اللہ کی قدرت کاملہ و نامحدود ذکر کیا گیا ہے۔ اس نے خلقت کی ابتداء کی اور پھر اسکا اعادہ کرتا رہتا ہے (سورہ النمل آیت ۶۳)۔ اس نے سات آسمان اور انہی کی طرح زمین پیدا کی (الطلاق ۱۲)۔ زمین پر پہاڑوں کی صورت میں ہر طرف بھاری بوجھ رکھنے تاکہ وہ کسی ایک طرف نہ جھک پڑے (النمل ۱۵)۔ روشنی کیلئے سورج اور چاند بنائے، انکی راہیں اور منزلیں متعین کیں۔ دن اور رات

بنائے، ان کے اوقات مقرر کئے جن میں سرمو فرق نہیں ہو سکتا (یونس ۵، الانعام ۹۷، یسین ۳۷، الزمر ۵)۔ زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں نہریں چلائیں (النمل ۶۱)۔ یہ پانی دو دریاؤں کی صورت میں ساتھ ساتھ چلتا ہے لیکن ایک دوسرے میں ملتا نہیں۔ دونوں کے درمیان آڑ ہے (الرحمن ۱۹)۔ ایک کا پانی میٹھا اور خوشگوار ہے، پیاس نکھاتا ہے اور دوسرے کا پانی کھاری اور کڑوا ہے جس سے سیدہ جلتا ہے (الفرقان ۳۵)۔ عرش پر قائم رہ کر ساری کائنات کا انتظام چلا رہا ہے (یونس ۳)۔ بے جان چیز سے جاندار کو اور جاندار چیز سے بے جان کو پیدا کرتا ہے (آل عمران ۷۲، الروم ۱۹)۔ ہر جاندار شے کو پانی سے پیدا کیا (الانبیاء ۳۰)۔ آسمان سے پانی برساکر بے جان زمین پر زندگی کے اثرات پیدا کرتا ہے (البقرہ ۱۳۳)۔ اس پانی کے ذریعے زمین سے نئے سے نرم و مازک بیج کو پھاڑ کر ہر قسم کے نباتات اگاتا ہے (الانعام ۹۶)۔ ہرے بھرے باغات پیدا کرتا ہے (النمل ۶۱)۔ مختلف رنگوں کے میوے پیدا کرتا ہے (الفاطر ۴)۔ اس کھیتی کو انسان اور جانور اپنی غذا بناتے ہیں (المجادہ ۱۲)۔ یہ غذا جسم میں پھنک کر خون بنتی ہے جس سے نطفہ بنتا ہے اور اسی نطفے کے رحم مادر میں ٹپکائے جانے پر اختلاط باہمی سے مختلف مدارج میں ایک مکمل نیا اور بہترین جسم وجود میں آتا ہے (المومنون ۱۳ تا ۱۵، النجم ۳۶، الدھر ۲، الصین ۳)۔ ماں دو سال تک اسے دودھ پلاتی ہے (الاحقاف ۵)۔ اللہ زمین اور آسمان سے رزق کا سامان کرتا ہے (النمل ۶۳)۔ وہ سب کو دکھلاتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا (الانعام ۱۳)۔ موشیوں کے بیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان سے خوشگوار اور لذیذ دودھ نکالتا ہے (النمل ۶۳)۔ انگور، انار، زیتون،

موجود ہیں۔ انبیاء و ترکان میں اور دیگر فرائض و عبادتیں ہیں۔ (ص ۲۶) ۳۰
 الانعام ۱۹۹۔ زمین کی ہر چیز اسی انسان کیلئے پیدا کر دی ہے (البقرہ ۲۹۹) اسکو
 زندہ گی گزارنے کے لئے نیکی اور بدی کے دونوں راستے دکھائے ہیں (الدھر
 ۱۰، البلد ۱۰۱) اس کے نفس کو برے بھلے کی تسبیح سکھاتا ہے (الشمس ۱۸)۔
 اس کے لئے اسکا راستہ آسان کر دیا ہے۔ پھر اسے موت دیتا ہے اور قبر
 دیتا ہے۔ پھر جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا (ص ۲۰) ۳۱ اور یہ
 دوبارہ اٹھایا جانا صرف قیامت کے روز ہی ہوگا (المومنون ۱۴) اس سے
 پہلے نہیں۔

یہ اللہ کی قدرت کی ان گنت نشانیوں میں سے صرف چند ذکر کی
 گئی ہیں۔ اجمالا صرف اتنا کہد یا کافی ہوگا کہ کائنات کی ہر چیز کا خالق و مالک
 اور اس کا مقسم بلا شرکت غیر ہے اللہ ہے (الزمر ۶۲) الفرقان ۲۱۔ جب وہ
 کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا حکم صرف اتنا ہوتا ہے کہ ”کی“ اور
 وہ ہو جاتی ہے (النہد ۱)۔ لیکن اس سب کے باوجود اللہ کا ایک نہ بدلنے
 والا قانون بھی ہے، نظام کائنات کو جس کا پابند بنایا گیا ہے۔ کائنات کا
 اک اک ذرہ اور ہر عمل و حرکت اسکی پوری طرح پابند ہے۔ چنانچہ
 درخت سے ٹوٹ کر گرنے والا ہر پتہ زمین کی سخت سطح کو چیر کر باہر آکر
 نفیسی کو نپل میں بدل جانے والا ہڈا ک بیج، آسمان سے پٹکنے والا بارش
 کا ہر قطرہ اور چاند سورج و ستاروں کی روشنی کی ہر کرن اور ان سے دکنے
 والا ریت کا ہر ذرہ تک اللہ کے اس مقررہ قانون کا پابند ہے۔ گو اللہ نے
 بغیر میں باپ کے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، بن باپ کے کنواری مریم
 سے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا لیکن یہ اسکی قدرت کا مظہر تھا۔ اس کا
 اتفاقی قانون یہ ہے کہ

لَا تَخْلُقُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ مِنْ نَطْفَةٍ إِذَا تُمْسَقُ ۝ الْحَجْمُ ۱۲
 اَنَا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نَطْفَةٍ لِّمَشَاجِجٍ ۝ الدھر ۲ نم جملہ
 نطفہ فی قرار مسکین ۱۳ المومنون ۱۳

وہ نر و مادہ کے مخلوق نطفہ کے مخلوق مقام (رحم مادر) میں قرار پکڑنے سے
 انسان کی تخلیق کرتا ہے۔ اور اس مقررہ قانون سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔

آج اگر سریم علیہا السلام کی طرح کوئی کنواری بچہ جنمے اور دعویٰ کرے کہ
 یہ اسے ایک فرشتہ دے گیا تھا تو اسکا دعویٰ جھوٹا نکلائے گا اور وہ بدکاری
 کی مجرم ٹھہرائی جائے گی۔

زندگی ملنے کے ساتھ ساتھ موت آنے کا بھی یہی معاملہ ہے۔

ما خَلَقَ لَكُمْ السُّعُوتَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا لَيْحًا مَّسْرًا ۝ (الروم ۸)
 کفر اللہ نے بتا دیا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ انکے درمیان ہے انکو
 اللہ نے حکمت سے اور ایک وقت مقرر تک کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور
 فَاذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ (النحل ۶۱)
 کے ذریعے اپنا قانون بھی بتا دیا کہ جب ان کا مقررہ وقت آجائے تو
 اس میں ایک ساعت کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ موت سب کو آکر رہے
 گی اور موت کے بعد زندگی صرف قیامت ہی میں ملے گی (المومنون ۱۵)۔
 ۱۶ اور اس وقت تک کیلئے زندوں اور مردوں کے درمیان ہر ذرہ اثنا
 حائل رہے گی (المومنون ۱۷) اور مرنے والے دنیا میں کبھی نہ لوٹ
 سکیں گے (النہد ۱۱)۔ بوقت موت روح کے جسم سے اخراج کے بعد
 اس کا اعادہ قیامت تک کیلئے ممکن نہیں۔ یہ اللہ کا اعلیٰ قانون ہے جس
 سے کسی کو منفر نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ اس قانون کی کئی ذیلی شقیں اور
 دفعات قائم ہو گئیں۔ ہر ذی روح کا موت سے ہٹکار ہونا اور مر کر مٹی
 میں مل جانا، اس جامع قانون کا اطلاق کائنات کی ہر جگہ ہر چیز پر ہوتا
 ہے۔ یہ محض اللہ کی قدرت تھی جو بنی اسرائیل کا ایک مقتول گائے کا
 گوشت لگنے سے دوبارہ زندہ ہو گیا (البقرہ ۵۱)۔ بنی اسرائیل ہی کے
 حزاروں لوگ جو موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل گئے تھے
 مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دئے گئے (البقرہ ۲۴۴)۔ بنی اسرائیل ہی کے
 ایک بزرگ پدہ شخص (معروفہ عن علیہ السلام) اور انکے گدھے کو سو سال
 مردہ رکھ کر زندہ کر دیا گیا (البقرہ ۵۹)۔ اس طویل مدت میں گدھا تو
 ہڈیوں کا بھجریں کر رہ گیا تھا جبکہ ان کے کھانے میں کوئی تغیر نہ ہوا
 تھا یہ قدرت ربانی ہی کا مظہر تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام مردے کو بڑوں اللہ
 زندہ کر دیتے تھے (آل عمران ۴۰) اگر آج کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس

نے کسی جانور کی موت کا وقت ملال دیا اور کسی عورت کی موت کو وقت سے پہلے طاری کر دیا، خود اپنی موت بھی کچھ "مزید کمالات" کے حصول کے لئے مؤخر کر دی، اپنے مرید کو جب چاہا مار دیا اور جب چاہا دوبارہ زندہ کر دیا (جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے افخاص العارفین نامی کتاب میں اپنے والد اور نایا کے واقعات لکھے ہیں)۔ بارہ سال سے ڈوبی کشتی اور اس میں سوار ہارات کے آدمیوں کو دریا میں ہاتھ ڈال کر بھیج دیا (سوانح عہد نقور جیلانی سے منسوب مشہور جھوٹی کرامت)۔ اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد مدرسے کی بنیاد رکھنے آئے، مدرسے کے حسابات چیک کرنے آئے، مدرسے کے منظمین کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کے لئے مدرسے کے بانی مولوی صاحب بھی مرنے کے بعد دنیاوی جسم یعنی گوشت پوست کے بدن کے ساتھ چلے آئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ ولی اللہ صاحب کی موت کے وقت انگریزوں کی فکر پر تسلی دی کہ "تو کا ہے کا فکر کرے ہے، جیسے تیری اولاد ویسے میری" (حکایات اولیاء از اشرف علی تھانوی میں ایسے متعدد واقعات لکھے ہوئے ہیں) اور یہ کہ ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارے جانے والے دادا صاحب منٹھلی کا نوکرہ لے کر دادی کے پاس تشریف لے آئے (جیسا کہ انہی تھانوی صاحب نے اشرف السوانح نامی کتاب میں لکھا) وغیرہ وغیرہ تو یہ سارے واقعات جھوٹے قرار دئے جائیں گے۔

یہ صرف اللہ کی قدرت تھی کہ دعوت حق دینے پر جب قوم نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوادیا تو وہ آگ ان کا ایک بال بھی نہ جلا سکی اور اللہ کے حکم

بناد کوئی برد و سلا ماعلیٰ ابراہیم (الایمانہ ۶۹)

"اے آگ ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا"

کی تعمیل میں انکے لئے سلامتی کا گھوارہ بن گئی ورنہ اس رب کا عام قانون یہی ہے کہ آگ کا کام جلاتا ہے۔ اس لئے آج اگر کوئی آگ کا ماتم کرتا ہے یعنی دہکتے انگاروں پر چلتا ہے یا بھڑکتی آگ میں سے گزرتے کا مظاہرہ کرتا ہے یا اپنے سید ہونے (یعنی یہ تصور کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کی اولاد میں سے ہے) کے ثبوت میں آگ پر ہاتھ رکھ لیتا ہے یا جلتے انگارے مٹھی میں بند کر لیتا ہے، وغیرہ۔ تو یہ سب محض شعبہ بے بازی یا کرب کا مظاہرہ ہوگا۔ ایسا نہیں ہوگا کہ اللہ کا قانون اس پر بے اثر ہو جائے۔

اسی طرح پانی کی مثال ہے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام اور انکی مومن جماعت کو بحر قلزم میں راستے دے دئے اور وہ پانی کے درمیان سے باحفاظت پار نکل گئے۔ اور یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے ہوا جسکا ذکر قرآن میں کئی جگہ آیا ہے مثلاً

فَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰى اِنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ

فَانْفَلَقَ فَكُنَّ كُلُّ فَجٍّ طَلُودٍ الْعَظِيمِ (الشعراء ۵۹)

میں ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنے عصا کو سمندر پر

مارو تو وہ سمندر بھٹ گیا اور ہر ٹکڑا بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔"

اور انکے تعاقب میں آنے والا فرعون اور اسکا لشکر اسی سمندر میں غرق ہو گئے۔ ان پر اللہ کا قانون نافذ ہوا اور سمندر نے راستہ نہ دیا بلکہ ڈوب دیا کہ اسکا کام ڈوبنا ہی ہے۔ آج اگر کوئی صوفی یہ دعویٰ کرے کہ وہ سمندر پر چلتا ہے یعنی سمندر اسے راستہ دے دیتا ہے اور اسکے پیچھے آنے والے بھی اسی طرح سمندر میں راستہ پا کر کنارے جا پہنچتے ہیں (جیسا کہ رضا خاں بریلوی نے مجدد مائتہ حاضر نامی کتاب میں صوفی ضیہ بغدادی کا واقعہ لکھا) تو اس کا یہ دعویٰ جھوٹا ہوگا۔

یہ اللہ کی قدرت ہے کہ وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے بذریعہ وحی غیب کی خبریں عطا فرما دیتا ہے (آل عمران ۷۹، الجن ۲۷) اور وہ اس وحی کی روشنی میں بغیر اپنے جی سے کچھ ملائے بے کم و کاست پیغام الہی لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں (القصص ۲۷، المائدہ ۶۷، الجن ۲۸، النجم ۳۰، المائدہ ۳۳، آل عمران ۷۹) اور اپنی امت کو واقعات گزشتہ و آئندہ کی خبریں دیتے ہیں (یوسف ۲، صود ۲۹، آل عمران ۳۳) اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل ۶۵)

”کہد کہ زمین اور آسمانوں میں حب کا جاننے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں۔“
اس قانون الہی کی روشنی میں غیب دانی کے سارے دعوے باطل اور
پوہیدہ حالات سے باخبر ہونے کے سارے واقعات جو نے قرار پائیں گے
خواہ وہ کسی شیخ الحدیث، شیخ القرآن، علامہ دوران، یا مفتی اعظم ہی کی
جانب سے کیوں نہ بیان کئے جائیں۔ مولوی زکریا کاندھلوی کے تبلیغی
نصاب (فضائل کے نام سے ساری کتب)، اشرف علی تھانوی کی حکایات
اولیاء، اشرف السوانح، امہ او المصطفیٰ، عبد الرشید گنگوہی کی سحرۃ الرشید،
سوانح قاسمی، شاہ ولی اللہ کی انفاس العارفین، فیوض الحرمین، نور ثمنین
وغیرہ بہت سی کتب مسلک و تصوف میں اس قسم کے واقعات بڑی کثرت
سے لکھے گئے ہیں۔ طوالت سے بچنے کیلئے نقل نہیں کئے جا رہے۔

یہی صورت سماع موتی کی بھی ہے اور کلام موتی بھی اسی کے
ذیل میں ہے۔ ”ان اللہ یسمع من یشتاء۔“ (الفاطر ۲۲) میں اللہ کی
قدرت بیان کی گئی ہے کہ وہ قادر رب جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے۔
سنانے کے اس فعل پر اسے پوری قدرت حاصل ہے لیکن قانون اسکا یہ
ہے کہ مردوں کو کوئی کچھ نہیں سنا سکتا، چنانچہ فرمایا ”انک لاتسمع
الموتی“ (النمل ۸۰) سننے سنانے والا خواہ نبی ہو یا خیر نبی۔ یہ اللہ تعالیٰ
کی قدرت ہی تھی کہ اس نے قلب بدر دانی روایت کے مطابق غزوہ بدر
میں مارے جانے والے مشرک سرداروں کی لاشوں کو انکی رسوائی اور
صحابہ کی نصیحت تقویت ایمانی کے لئے کنوئیں کی قبر میں نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کا تندیدی و توتنی خطاب سنا دیا (صحیح بخاری کتاب المغازی، باب
قتل ابی جہل حدیث نمبر ۵۵۳ و ۵۵۴ اور نہ قانون اسکا یہی ہے کہ
”انک لاتسمع الموتی“ (تم مردوں کو نہیں سنا سکتے)۔ اس ایک
استثنائی واقعے کو بنیاد بنا کر قانون الہی کے خلاف آج ہر مروجے کو سننے،
گھنٹے، دیکھنے، بولنے والا بنادیا گیا ہے۔ اللہ کی کتاب پکار پکار کر کہہ رہی
ہے کہ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے (الفاطر ۲۲) تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے
(النمل ۸۰) لیکن اللہ کی اسی کتاب پر ایمان و یقین رکھنے کے دعوے
کرنے والے لوگ ہیں کہ گھنٹے ہی نہیں اور قبروں پر جا کر مردوں کو

سنانے کی کوشش کرتے ہیں، کچھ تو مردوں سے دعائیں و سحر شمس
کراتے ہیں، اور اکثر ان ہی سے وہ سب کچھ مانگتے لگتے ہیں جو صرف اللہ ہی
دیتا ہے، یہ لوگ انھیں سلام کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ذریعے سلام
کھلاتے ہیں، سواری پر بیٹھے بیٹھے یا راہ چلتے دور ہی سے قبر کا رخ کر کے
ہاتھ اٹھا کر سلام کا نذرانہ پیش کر دیتے ہیں اور دل میں یقین رکھتے ہیں کہ
ان کا سلام سن لیا گیا اور جواب بھی دے دیا گیا۔ یہاں تک تو بات صرف
مردوں کو سنانے کی تھی۔ حد تو یہ ہے کہ ایک قدم آگے بڑھایا جاتا ہے
اور مردوں سے باہر کروانے اور خود انھیں سننے کے دعوے بھی کئے
جاتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر (جسے یہ لوگ روضۃ اقدس یا
در بار پاک یا بارگاہ گھنٹے میں حلالکے صحیح احادیث میں اس قسم کے الفاظ
نہیں آئے۔ صحیح روایات میں تو قبر کے ہی الفاظ ہیں اپر اگر سلام کرتے
ہیں اور جواب سننے کا دعویٰ کرتے ہیں، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے قبر سے ہاتھ باہر نکال کر مصافحہ بھی کیا جسے ستر ہزار
افراد نے دیکھا (امامہ حامد البلالیخ از مفتی شفیع عثمانی، فضائل ج از زکریا
کاندھلوی)، بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ سلام و مصافحہ کے علاوہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم نے مومے مبارک یا لالیہ کھانے کا تحفہ بھی دیا (شاہ
ولی اللہ در ثمنین، فیوض الحرمین، انفاس العارفین)۔ کچھ دوسروں کے یہ
دعوے ہیں کہ پیر صاحب کی روح اپنی زیارت کے بعد زائر مرید کے
چمچے نماز پڑھتی ہے، دوسرے پیر صاحب قبر سے طلوت کی فرمائش کرتے
ہیں، اچھا پڑھنے پر تعریف بھی فرماتے ہیں (حوالہ ایضاً ۱)۔ تیسرے پیر
صاحب اپنی قبر کے زائرین کی حنیافت کے لئے قبر سے باہر انگر اونٹ
ذبح کر دیتے ہیں (فضائل صدقات از زکریا کاندھلوی)، چوتھے پیر صاحب
اپنے مرقون پیر کا طفرن کر بنس پڑتے ہیں اور بعد میں اسے دوسروں کو
بھی سناتے ہیں (ایضاً ۱)۔ ایک اور صاحب قبر میں رکھے جانے کے بعد
آنھیں کھول دیتے ہیں اور دریافت پر بتاتے ہیں کہ اللہ کا ہر عاشق زندہ
ہوتا ہے (ایضاً ۱)۔ یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات مذکورہ بالا قانون
الہی کا کھینچا انکار کر دیتے ہیں کہ مردے کو سنایا نہیں جاسکتا اور سنایا اسے

نہیں جاسکتا جو من نہ سکتا ہو۔ اور جو من نہ سکے وہ بول بھی نہیں سکتا۔ مگر ان کے مردے ہیں کہ سنتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں بولتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں۔ حالانکہ یہ سارے کام تو زندہ لوگوں سے ہوتے ہیں۔ مردوں سے یہ سارے کام محال ہیں۔ یہ سارے افعال تو زندگی سے مشروط ہیں۔ موت کا اطلاق و نفاذ زندگی کی عدم موجودگی پر ہی ہوتا ہے۔ جب زندگی ہی نہ رہی تو زندوں کے جیسا کوئی فعل بھی نہ رہا ورنہ اگر موت کے بعد بھی زندوں جیسے سارے کام بدستور و حسب معمول ہو رہے ہوں بلکہ بعد اضافہ ہو رہے ہوں جیسا کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں تو پھر یہ مردے مردے نہ ہوئے بلکہ زندوں سے بھی بڑھ کر ہوئے (کیونکہ منوں منی کے نیچے سے دیکھنا، سننا اور سناوینا تو عام انسانی زندگی میں ناممکن ہے)۔ اور پھر تو زندوں کو قبر میں دفن کرنا ان کے ساتھ شدید ظلم ہے۔ زندہ درگور کرنا تو کسی کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ یہ فعل تو دور جاہلیت کے مشرکین کا تھا جس کے متعلق قرآن میں ہے کہ

وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سَأَلَتْ بِأَمْرِ قَتْلَتْ (سورۃ النکور ۸)

مزدہ گازی جانے والی سے پوچھا جائے گا کہ مجھے کس گناہ میں قتل کیا گیا۔ طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ علم رکھنے کے دعویدار لوگ مردوں کے سماع کی نفی میں آنے والی آیات سن کر کہہ دیتے ہیں کہ ان سے مراد کفار و مشرکین ہیں جو دعوت حق نہیں سنتے تھے ورنہ نبیؐ نے تو خود مردوں کو سنانے کی تلقین کی ہے۔ اور ثبوت میں قبرستان کی دعا ”السلام علیکم یا اهل القبور“ جتنی کرویتے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید گفتگو کرنے سے پہلے اہل قبور کو سلام کرنے پر کچھ عرض کر دینا مناسب ہوگا۔ اہل قبور کو سلام کرنے کیلئے خواہ مندرجہ بالا الفاظ ہوں جو ترمذی نے روایت کئے ہیں (اہل حدیثوں کے پیشوا ناصر البانی صاحب نے اس کو ضعیف بتایا ہے یا مسلم کے روایت کردہ یہ الفاظ ہوں: ”السلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ لکم للاحقون نسأل اللہ لنا و لکم العافیۃ“ (کتاب الجنائز) مولوں میں اپنے مومن و مسلم بھائیوں کے لئے اللہ سے دعا ہے۔ الفاظ

اگرچہ خطابی ہیں (مسلم نے اسی روایت میں اور اس سے پہلی روایت میں بغیر خطابی الفاظ کے بھی یہ دعا روایت کی ہے) لیکن یہ مردوں کو خطاب نہیں ہے جس طرح التحیات میں نبیؐ پر سلام کیلئے الفاظ ”السلام علیک ایہا النبی“ خطابانہ استعمال ہوتے ہیں لیکن یہاں نبیؐ کو مخاطب کرنا مراد نہیں (کیونکہ جس کو خطاب کیا جائے وہ لازمی جواب بھی دیتا ہے اور نہ ایسی ہیشمار حدیثیں ہوں جن میں بتایا جائے کہ نبیؐ لوگوں کے التحیات میں پڑھے جانے والے سلام کا جواب دیتے تھے۔ بات صرف اتنی ہے کہ نبیؐ نے اس طرح یہ دعائیں سکھائیں اور مومنین قیامت تک اس طرح یہ دعائیں پڑھتے رہیں گے بغیر کسی ایسے عقیدے کے کہ ”السلام علیکم یا اهل القبور“ والی دعا قبر کے مردے سنتے ہیں اور التحیات کے کلمات ”السلام علیک ایہا النبی“ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن لیتے ہیں۔

اب آئیے سماع موتی کی نفی سے مشرکین مراد ہونے کی دلیل کی طرف۔ اگر یہ لوگ اپنی اس دلیل پر غور کریں تو انہیں اس میں ہی جواب مل جائے۔ قرآن کا بغور مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان آیات کا تفسیر و استعارے والا ادب ہلکا انداز ہے۔ جو مشرکین دعوت حق کو سننے کو بھی تیار نہیں انکو مردوں سے تفسیر دی جا رہی ہے کیونکہ مردے سنا نہیں کرتے۔ اور انہیں مردے سن سکتے تو پھر اس تفسیر کی کوئی حیثیت ہوتی اور نہ کوئی ادبی ضرورت باقی رہتی۔ اسی طرح سورۃ الرعد آیت ۱۹ میں دعوت حق قبول کرنے والوں کو ”اولو الالباب“ یعنی دافشند قرار دیا گیا جبکہ حق سے روگردانی کرنے والے کو ”اعسٰی“ یعنی اندھا کہا گیا ہے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اندھے دیکھ نہیں سکتے، اسی لئے کفار و مشرکین کو استعارۂ اعمیٰ کہا گیا۔ اب کوئی اس سے یہ معنی مراد لینے لگے کہ ابو جہل، عقبہ بن ربیعہ اور اسمیہ بن خلف وغیرہ واقعی آنکھوں سے اندھے تھے تو یہ محض اتفاق انداز ہوگا۔ کسی کو ”شیر دل“ کہا جائے تو یہ اسکی بہادری کا اظہار ہے، شیر کی بہادری ایک مسلمہ حقیقت ہے اسی لئے بطور استعارۂ شیر دل کسی کی بہادری کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا

القیاس "ان الله يسمع من يشاء" سے جہاں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے وہاں سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ مراد ہے کہ ان صمدوں یعنی زندہ کفار و مشرکین میں سے اللہ جس کو چاہے سنا دے یعنی دعوت حق میں کر قبول کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔

درج بالا سطور کی روشنی میں ان آیات پر غور فرمائیے۔ اللہ نے

لَنْ يَسْمَعَ الْمُؤْمِنُونَ وَلَا يَسْمَعَ الْعَمِلُونَ وَلَا يَسْمَعُ الْمُؤْمِنُونَ وَلَا يَسْمَعُ الْعَمِلُونَ وَلَا يَسْمَعُ الْمُؤْمِنُونَ وَلَا يَسْمَعُ الْعَمِلُونَ

اور اسکے بعد والی آیت

وَمَا تَنْتَظِرُ الْمُؤْمِنُونَ وَلَا يَسْمَعُ الْمُؤْمِنُونَ وَلَا يَسْمَعُ الْعَمِلُونَ وَلَا يَسْمَعُ الْمُؤْمِنُونَ وَلَا يَسْمَعُ الْعَمِلُونَ

میں واقعی مشرکین کی مثال دی ہے کہ جس طرح مردے سننے کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں اور انھیں کسی طرح سنایا نہیں جاسکتا اور جس طرح ہرے سننے کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں لیکن کم بہروں کو زور سے چیخ کر سنایا جاسکتا ہے لیکن اگر وہ پیٹھ پھیر کر چلے تو مٹانے کا یہ امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ان مشرکین کو بھی نہیں سنایا جاسکتا جنھوں نے حق سننے سے اپنے کانوں کو بہرہ کر لیا ہے اور حق سے منہ موڑ چکے ہیں۔ اور جس طرح اندھوں کو غلط راستے پر جانے سے اگر وہ کسی کی بات نہ مانیں روکا نہیں جاسکتا اسی طرح ان مشرکین کو بھی بھٹکنے سے نہیں بچایا جاسکتا جنھوں نے حق کی طرف دیکھنے سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ آپ تو صرف انھیں سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں پھر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہاں اندھوں بہروں سے مراد وہی ہیں جو حق دیکھنے سننے سے انکار کرویں ورنہ نبیؐ کے صحابہؓ میں بعض نابینا بھی تھے اور کم سماعت والے بھی، البتہ انھوں نے دل کی بصیرت و سماعت سے حق کو پہچانا اور سنا تھا اور اس کا انکار نہ کر کے خود کو دل کے اندھوں بہروں میں شمار نہ کرایا بلکہ اولوالالباب ٹھہرائے گئے۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ کیا کبھی کسی بہرے اور اس بہرے کے متعلق جو پیٹھ پھیر کر دور ہو جائے اور چیخ کر مٹانے جانے کے بہرے سے سوہوم امکان کو بھی ختم کر دے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ سن سکتا ہے؟ کیا کسی اندھے کے بارے میں بھی یہ دعویٰ کیا گیا کہ وہ دیکھ سکتا

؟ اگر کوئی دل کی بصیرتی آنکھ اور احساس کے کان کو بنیاد بنا کر اثبات میں جواب دیتا ہے تو بلاشبہ اگر روح کے ساتھ وہ بصیرت اور احساسات بھی جسم سے خارج ہو جائیں تو پھر کہاں سے دیکھے گا؟ کہاں سے سنے گا؟ کہاں سے بولے گا؟ ان فی ذالک لعبرة لأولی الابصار

گزشتہ صفحات میں زندگی و موت، آگ و پانی، علم و سماع کی چھ مثالوں پر اللہ کی قدرت اور قانون سے متعلق کچھ گزارشات کی گئیں۔ ان مثالوں کی اول الذکر صورتیں قدرت الہی سے متعلق تھیں اور یہ سب معجزات کی شکل میں رونما ہوئی تھیں جن کے متعلق یہ جاننا چاہیے کہ یہ عام قانون سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور انکا اظہار محض اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے اور یہ اسکی قدرت کی نشانی کے طور پر متعلقہ نبی کی نبوت کی حسی، سمعی و بصری دلیل کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے جس میں نبی کی اپنی کسی قوت، صلاحیت، مرضی یا خواہش کا دخل نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المؤمن آیت ۷۷ میں فرمایا

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِالْبَيِّنَاتِ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَلَمَّا جَاءَ

أَمْرُ اللَّهِ قَضَىٰ بِالْحَقِّ وَحَسَرَ هُنَالِكَ الْبَاطِلُونَ

"اور کسی پیغمبر کا مقدور نہ تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے۔ پھر جب

اللہ کا حکم آچھا تو انصاف کے ساتھ تسلیم کر دیا گیا اور اہل باطل انھیں مٹ گئے۔"

البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن میں معجزات کیلئے یہ لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ لفظ "آیات اللہ" آیا ہے، یعنی اللہ کی قدرت کی نشانیاں۔ اللہ کی آیات کے لئے معجزہ کا لفظ بعد میں مستعمل ہوا۔ معجزہ کا مادہ عجز ہے۔ اسکے معنی ہیں وہ منظر قدرت جو عقل و کچھ میں نہ آئے اور انھیں عاجز کر دے۔ اب ان مذکورہ معجزات پر غور فرمائیے اور بتائیے کہ کیا یہ عقل و کچھ میں آتے ہیں یا انھیں عاجز کر دیتے ہیں۔ اگر جواب مؤثر الذکر ہو تو کچھ لینا چاہیے کہ اللہ کی قدرت اور قانون دو مختلف اور علیحدہ چیزیں ہیں۔ معجزات کو عام معمولات نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ وہ عام معمولی واقعات ہوتے ہیں۔ فیصلہ اور فتویٰ قانون پر ہی صادر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور قبول کر لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

تحریر: خالد عزیز

الغرض دینی بگاڑ، معاشرتی تمدن کی گراؤ اور اخلاقی بے اعتدالی کی انتہا کو پہنچی ہوئی اس قوم کی اصلاح کے لئے اللہ عزوجل نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ ہر چند کہ آپ اسی قوم کے ایک فرد تھے مگر آپ کی پکار آپ کی قوم کو بالکل اجنبی تھی۔ وہ پکار کیا تھی؟ کائنات کی ازلی وابدی حقیقت الہکم الہ واحد یعنی تمہارا الہ ایک ہی ہے۔ اور اسکے سوا کوئی الہ نہیں۔ یہ وہ انتہائی سادہ سی بات تھی کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اسکی گواہی دیتا ہے، اسکو سمجھنے، مان لینے یا تسلیم کر لینے کے لئے بقراطی یا سقراطی افہام کی ضرورت نہ تھی۔ اس بات کو مان لینے کی صورت میں دنیا کی کامرانی اور آخرت کی کامیابی کا مؤدہ سنا یا گیا مگر حٹ و حرم جاہل قوم کی طرف سے اسکا انکار و غفلت ہو۔ جزیرہ عرب میں ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ حٹ و حرمی سے نہ صرف انکار کیا گیا بلکہ اس آواز حق کو دبانے کی ہر ممکن کوشش شروع کر دی گئی۔ امن و سلامتی کا مؤدہ دینے والی پکار پر لبیک کہنے والے چند جوان ہمتوں پر امن و سلامتی کا دروازہ گویا بند کر دیا گیا۔ مخالفت حق، محض دھمکیوں اور سازشوں سے بڑھ کر زور و کوب، ایذا رسانی، تشدد اور معاشی و معاشرتی تعلقات کے اختطاع تک پہنچی۔ ان نامساعد و تکلیف دہ اور ہمت شکن حالات میں بھی اللہ کے کچھ سعید المظہرت بندے اس راہ کے مسافر بنے۔ ایمان و اسلام نے انکی کایا ہی ہلٹ دی۔ ہر قسم کی مزاحمت، زور و کوب، ایذا رسانی، تشدد و غرض کوئی بھی حربہ انکو اس مشن سے ہال برابر نہ ہٹا سکا۔ ہرگز رتے دن کے ساتھ انکے پائے استقلال میں اور مضبوطی آتی گئی۔ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں ایذا میں اور تکالیف میں ہال ہال باپ اولاد اور عزیز و اقارب کو چھوڑا، ہجر میں گئیں، بے شمار مصائب، تھیلے اور

تاریخ انسانی کا ادنیٰ ظالم بھی جانتا ہے کہ اسلام سے قبل عرب کی صحرا نشین قوم اقوام عالم میں سب سے زیادہ پست اور ذلیل قوم تھی۔ انکی اخلاقی اقدار کا گویا جنازہ نکل چکا تھا۔ بات بات پر جھگڑا، فساد، قتل و غارت انکا شیوہ تھا جو کہ نسل در نسل چلتا۔ جنگ اور خون ریزی اسقدر زیادہ تھی کہ جنگ کی خاطر حرمت والے مہینوں کو اپنی مرضی سے آگے بھیجے کر دیا جاتا تھا۔ مظلمی اور ناداری کے خوف سے اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ قبائلی تعصب ان کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا تھا۔ نسلی تفاخر انکی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ مذہبی طور پر دین ابراہیمی کو ماننے کے دعوے دار تھے مگر درحقیقت بتوں کی پوجا پاٹ اور پرستش انکا دین و مذہب تھا۔ محض ہاتھ سے بنائے گئے بتوں کو ہی نہیں پوجتے تھے درختوں اور پتھروں کی بھی پوجا کیا کرتے تھے۔ اللہ کے ساتھ ہر ہر معاملے میں شریک ٹھہراتے، چوپایوں اور کھیتوں کے ایک حصے کو اللہ کی نذر کرتے اور ایک حصے کو اپنے بنائے ہوئے شریکوں کی نذر کرتے تھے۔ اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام قرار دیتے۔ اللہ کے گھر خانہ کعبہ کی بھجورت انکے لئے باعث تفاخر تھی۔ مگر ان ظالموں نے اللہ کے گھر کو بھی کفر و شرک کی آماجگاہ بنا ڈالا تھا۔ عین سوسائڈ بہت اس میں رکھ چھوڑے تھے۔ اللہ کے گھر میں ان پتھروں کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی۔ مرد و عورت کعبہ کا برہمن طواف کیا کرتے تھے۔ ان میں صرف قبیلہ قریش کپڑے پہن کر طواف کیا کرتا تھا۔ یا جس کو یہ کپڑے دیتے وہ ان کپڑوں میں طواف کر لیا کرتا۔ کفر و شرک، بد خوئی، سوء نفسی، عربی و فحاشی کے بے شمار مظاہرات انکے مذہب، اخلاق اور معاشرت کا جزو لا تشک تھا۔

صورتیں اٹھائیں۔ آخر کار انہی لوگوں نے اللہ کی تائید و نصرت سے رنگ جہاں بدلا۔ جزیرہ عرب سے نکل کر روم اور فارس پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ روم و فارس اس وقت کی سب سے زیادہ مستحکم سلطنتیں اور متحدہ اقوام تھیں۔ یہ انہی عرب کے صحرا نشینوں کے ہاتھوں مفتوح ہوئیں۔ روم اور فارس کے مقابلے میں نہ انکو حدودی برتری حاصل تھی اور نہ ہی مال و اسباب کا کوئی توازن تھا۔ قلیل تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود یہ فاتح ہوئے اور وہ مفتوح۔ اسلام اور کفر میں نمایاں عدم توازن کے باوجود یہ سب کچھ ہو جانا دنیا والوں کے لئے یقیناً حیرت و استحجاب کی بات ہے مگر سچے اور کھرے ایمان دار۔ بخوبی جانتے ہیں کہ رنگ جہاں بدل ڈالنے والے ان لوگوں نے ایمان کا اثر کر کے اس کے عملی تقاضے اس طرح پورے کئے کہ انکا حق ادا کر دیا۔ جب کہیں جا کر اللہ کی تائید و نصرت سے وہ مقام حاصل کیا جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے انہیں دنیا بھی ملی اور آخرت کی لازوال نعمتیں بھی انکا مقدر بنیں۔ اور جو دنیا کی نعمتوں کے حصول سے پہلے اللہ کی راہ میں شہید ہوئے تو وہ بھی گھٹائے میں نہ رہے، انہیں اللہ کی رفاقت حاصل۔ دینی اور اللہ کی رفاقت بلاشبہ بہترین رفاقت ہے اور دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ نبی علیہ السلام کی بعثت کے وقت انتہائی ماساحہ حالات میں اس دعوت پر لبیک کہنے والے اگرچہ تھوڑے تھے مگر بڑے ہی عظیم المرتبت تھے۔ انہی میں ایک مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔

آپ کا تعلق بنی عبد الدار سے تھا۔ بڑے ہی نازد نعم میں پل کر جوان ہوئے تھے۔ والدین نہایت آسودہ حال تھے۔ خصوصاً آپکی والدہ بہت مالدار خاتون تھیں۔ مصعب بن عمیر کو دنیاوی لذائذ اور آسائشات کی کوئی کمی نہ تھی۔ بڑے ہی شبانہ انداز میں زندگی بسر کیا کرتے۔ خوش پوشی میں پورے مکہ میں ممتاز تھے۔ وسائل کی بے تحاشہ فراوانی کے باوجود سلیم الخُطرت، سیرت و اخلاقی اقدار کا بہترین نمونہ تھے۔ اپنے انہی اوصاف کی بنا پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے مشرف بالاسلام ہوئے۔ آپ سابقین فی الاسلام میں سے ہیں۔

رسول نبوی میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک جانشین صحابی ار قم بن ابی الار قم کے کوہ صفا میں واقع مکان دار ارقم کو اسلام کا پہلا سرگز بنایا تو مصعب بن عمیر وہیں چھپ چھپ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور اسلام کی بے بہا نعمت سے بہرہ مند ہوتے۔ اس دور میں مشرکین مکہ کا ظلم و جور انتہا کو پہنچا ہوا تھا، کوئی ایمان والا انکی ایذا رسانی سے محفوظ نہ تھا۔ مصعب بن عمیر اپنے ایمان کو چھپائے پوشیدہ طور پر صلوٰۃ ادا کیا کرتے۔ اسلام کا ٹھہر ٹھہر حقیریب تن آور ہوئے، بھٹکے، پھولے اور ہر گ اور ہونے والا تھا۔ یہ ایمان اور اسلام کیسے چھپا رہا تھا۔ ایک دن عثمان بن عفان نے انہیں صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے دیکھ لیا اور فی الفور جا کر انکی ماں اور انکی قوم کو خبر دی کہ تم لوگ تو اسے آسائشات بہم پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے ہو مگر وہ ہے کہ تمہارے آپانی دین کو چھوڑ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو اختیار کر چکا ہے۔ اس بات کے ظاہر ہونے ہی ماں کی بے مثل غصہ نفرت میں اور نازد نعم و ثروت ڈپٹ میں تبدیل ہو گیا۔ آسائشات کی جگہ تنگ دستی نے لے لی، کام و دھن کے لفاظ کی بہتات فقر و فاقہ میں بدل گئی۔ اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ زور و کوب کیا گیا اور ایذا میں دی جانے لگیں اور انتہا یہاں تک پہنچی کہ انہیں قید میں ڈال دیا گیا۔

اس مقام پر ذرا لمحہ جبر کے لئے سوچئے کہ شگستہ اور دنیاوی نعمتوں سے بے بہرہ شخص کو جب اس طرح کی تکالیف میں مبتلا کر دیا جائے تو یہ کیفیت اس کو بے حال کر دے گی مگر جو شخص شرادوں کی سی زندگی بسر کرتا ہو اور دنیاوی نعمتوں سے پوری طرح متعین ہو اس پر جب یک لخت مصائب اور آلام کے سراز توڑ دئے جائیں تو اسکا کیا حال ہوگا؟ یقیناً اس کے لئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت ہوگا۔ مگر مصعب بن عمیر میں کہ ان تمام تکالیف اور مصائب و آلام کو بڑی خندہ پیشانی سے انگیز کرتے ہیں۔ انکے اشتغال میں ذرا بھی لغزش نہیں آتی۔ اسلام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ پورے شعور اور سچے دل سے ایمان لانے والے کے دل میں یہ ایسا راح ہو جاتا ہے کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے اس سے ہٹا نہیں سکتی۔ مصعب بن عمیر کیسے راح الامان تھے کہ جنہیں دنیا

کی بے ثباتی اور بے بضاعتی کا پورا احساس تھا۔ وہ آخرت کی نعمتوں کے بچے طلب گار تھے۔ مشرکین مکہ کا جوہر ستم بڑھتا رہا اور مکہ کی زمین مسلمانوں کے لئے تنگ ہوتی گئی تو اللہ کی طرف سے ہجرت کا اشارہ دیا گیا اور مسلمانوں کو بتایا گیا کہ اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ سورۃ الزمر میں ارشاد ہے:

”جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی انکے لئے اچھائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ صبر کرنے والوں کو انکا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“

نامساعد حالات کی وجہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ مصعب بن عمیرؓ کسی طرح قید سے نکلے اور آٹھ مرد اور چار خواتین پر مشتمل مختصر قافلے کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان لوگوں کو کچھ باہمی حبشہ میں ہوئے تھے کہ قریش مکہ کے مسلمان ہو جانے کی افواہ اڑی۔ اس خوش کن خبر کی وجہ سے ان لوگوں نے والہی کی راحت سفر باندھا۔ مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ خبر جھوٹی تھی۔ قریش مکہ صحت دھرمی سے اپنے آبائی دین پر جمے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے والہیں جانا مناسب نہ سمجھا۔ قریش مکہ میں سے اشرور سوخ رکھنے والوں کی امان لیکر مکہ میں داخل ہو گئے۔ اس معاملے میں مورخین کا اختلاف ہے کہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے تمام لوگ والہیں آگئے تھے یا کچھ وہیں رہ گئے تھے۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ حبشہ سے والہیں آنے والے تمام ہی لوگ شہر مکہ میں داخل ہوئے یا کچھ والہیں بھی لوٹ گئے تھے۔ ہر صورت مکہ والہیں آنے والوں میں مصعب بن عمیرؓ بھی تھے۔ وہ والہیں آنے تو دیکھا کہ ہر چیز ویسی ہی ہے ہاں اگر کچھ تبدیلی آئی ہے تو صرف اتنی کہ مشرکین کی مخالفت میں اور شدت آگئی ہے۔ مہاجرین کی والہی پر ستم آرائیاں جب زیادہ بڑھیں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک مرتبہ پھر حبشہ ہجرت کرنے کی ہدایت دی۔ اس مرتبہ پہلے سے زیادہ لوگوں نے ہجرت کی مصعب بن عمیرؓ اس ہجرت میں بھی شامل تھے۔ عامر بن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ مصعب بن عمیرؓ ایمان لانے سے لیکر شہید ہونے تک میرے

دوست اور ساتھی رہے۔ وہ ہمارے ساتھ دونوں ہجرتوں میں حبشہ گئے۔ جماعت مہاجرین میں وہ میرے رفیق تھے۔ میں نے ان سے زیادہ خوش اخلاق آدمی نہیں دیکھا۔ مورخین نے اس بات کی صراحت نہیں کی ہے کہ مصعب بن عمیرؓ کتنے سال حبشہ میں رہے اور کب والہیں آئے، لیکن یہ امر بالکل واضح ہے کہ بیت عقبہ اولیٰ سے پہلے مکہ والہیں آگئے تھے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں بے شمار صعوبتیں اٹھائیں، ایمان لانے سے پہلے بیش قیمت اور قیمتی لباس زیب تن کیا کرتے تھے مگر اب انکے کپڑے یوسیدہ اور کھردرے ہوئے اور پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔ انکی نرم و نازک جلد خشک، کھردری اور پھٹی پھٹی سی ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو یوسیدہ لباس پہنے ہوئے تھے جس میں جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے اور پیوند بھی ایسے کہ کپڑے میں کپڑے کا پیوند بھی میسر نہ تھا۔ کھال کے ٹکڑوں کے پیوند لگائے ہوئے تھے۔ اور اللہ کے اس بندے کے ماتھے پر شکن تک نہیں تھی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ چند سال پہلے تک پورے مکہ میں اس سے بڑھ کر ناز و نعم کا چاہو، بہترین لباس پہنے والا اور آسودہ حال کوئی نہ تھا لیکن آج اللہ اور اسکے رسول کی محبت پر اس نے اپنے تمام عیش و آرام کو قربان کر دیا ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں حج کے لئے آنے والوں کو دعوت دیا کرتے تھے۔ اس دعوت کے نتیجے میں مدینے کے قبیلے خزرج کے چھ آدمی ایمان لائے تھے۔ انہوں نے مدینہ والہیں جا کر دعوت کا کام شروع کیا جس کے نتیجے میں آئندہ سال بارہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی علیہ السلام نے ان سے عقبہ کے مقام پر بیت فی جو تاریخ میں بیت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اہل مدینہ جب والہیں جانے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے ہمراہ اشاعت اسلام، تعلیم قرآن اور اسلامی احکام کی تعلیم کے لئے اپنا ایک سفیر بھیجا۔ یہ سعادت کبریٰ بھی مصعب بن عمیرؓ کو ملی۔ مدینہ پہنچ کر

اشاعت اسلام کے لئے بھرپور کوششیں کیں اور انہیں اس میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی انہی کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ یہ وہ صحابی رسول ہیں جنکی شہادت پر عرش الہی متحرک ہوا۔ مصعب بن عمیرؓ کی مدینہ میں اشاعت اسلام کی کوششوں کا کچھ انوال "الرحیق المسحوم" سے پیش خدمت ہے۔

"حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کہ گھر نزول فرما دئے۔ پھر دونوں نے مل کر اہل یثرب میں جوش و خروش سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت مصعبؓ مرقی کے خطاب سے مشہور دئے (مرقی کے معنی ہیں پڑھنا والا۔ اس وقت معظم اور استاد کو مرقی کہتے تھے)۔ تبلیغ کے سلسلے میں انکی کامیابی کا ایک نہایت شاندار واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ انہیں ہمراہ لے کر بنی عبد الاشمل اور بنی ظفر کے محلے میں تشریف لے گئے اور وہاں بنی ظفر کے ایک باغ کے اندر مرقی ایک کنویں پر بیٹھ گئے۔ انکے پاس چند مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ اس وقت تک بنی عبد الاشمل کے دونوں سردار یعنی حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسیدؓ بن حضیر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ شرک پر ہی تھے۔ انہیں جب خبر ہوئی تو حضرت سعدؓ نے حضرت اسیدؓ سے کہا کہ ذرا جلاؤ اور ان دونوں کو جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آئے ہیں، ڈانٹ دو اور ہمارے محلے میں آنے سے منع کرو۔ چونکہ اسعدؓ بن زرارہ میری خالہ کا لڑکا ہے اس لئے تمہیں بھیج رہا ہوں اور نہ یہ کام میں خود انجام دے دو۔

اسیدؓ نے اپنا حرب اٹھایا۔ اور ان دونوں کے پاس پہنچے۔ حضرت اسعدؓ نے انہیں آگاہ دیکھ کر حضرت مصعبؓ سے کہا: "یہ اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آ رہا ہے۔ اسکے بارے میں اللہ سے سچائی اختیار کرنا۔" حضرت مصعبؓ نے کہا: "اگر یہ بیٹھا تو اس سے بات کروں گا۔" اسیدؓ پہنچے تو ان کے پاس کھڑے ہو کر سخت سست کہنے لگے۔ "تم دونوں ہمارے یہاں کیوں آئے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بناتے ہو؟ یاد رکھو، اگر تمہیں اپنی جان کی ضرورت ہے تو ہم سے الگ ہی رہو۔" حضرت مصعبؓ نے کہا:

"کیوں نہ آپ انہیں اور کچھ سنیں۔ اگر کوئی بات پسند آجائے تو قبول کر لیں پسند نہ آئے تو چھوڑ دیں۔" حضرت اسیدؓ نے کہا: "بات منصفانہ کہہ رہے ہو۔" اس کے بعد اپنا حرب گاڑ کر بیٹھ گئے۔ اب حضرت مصعبؓ نے اسلام کی بات شروع کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ان کا بیان ہے کہ: "خدا ہم نے حضرت اسیدؓ کے دل سے پہلے ہی انکے چہرے کی چمک دیکھ سے انکے اسلام کا پتہ لگایا۔ انکے بعد انہوں نے زبان کھولی تو فرمایا: "یہ تو بڑا ہی عمدہ اور بہت ہی خوب تر ہے۔ تم لوگ کسی کو اس دین میں داخل کرنا چاہتے ہو تو کیا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا: "آپ غسل کر لیں۔ کپڑے پاک کر لیں۔ پھر حق کی شہادت دیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیں۔" انہوں نے اٹھ کر غسل کیا یا کپڑے پاک کئے۔ کمرہ شہادت ادا کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر بولے: "میرے چچے ایک اور شخص ہے، اگر وہ تمہارا پیروکار بن جائے تو اسکی قوم کا کوئی آدمی چچے نہ رہے گا، اور میں اس کو ابھی تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔" (اشارہ حضرت سعدؓ بن معاذ کی طرف تھا)

اسکے بعد حضرت اسیدؓ نے اپنا حرب اٹھایا اور پلٹ کر حضرت سعدؓ کے پاس پہنچے۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ محفل میں تشریف فرما تھے (حضرت اسیدؓ کو دیکھ کر بولے: "میں، خدا کہہ رہا ہوں کہ یہ شخص تمہارے پاس جو چہرہ لے کر آ رہا ہے یہ وہ چہرہ نہیں ہے جسے لے کر گیا تھا۔" پھر جب حضرت اسیدؓ محفل کے پاس قن کھڑے ہوئے تو حضرت سعدؓ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا: "میں نے ان دونوں سے بات کی تو واللہ مجھے کوئی حرج نظر نہیں آیا۔ ویسے میں نے انہیں منع کر دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے۔

اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی حارث کے لوگ اسعدؓ بن زرارہ کو قتل کرنے گئے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسعدؓ آپ کی خالہ کا لڑکا ہے لہذا وہ چاہتے ہیں کہ آپ کا عہد توڑ دیں۔" یہ سن کر سعدؓ غصے سے بھرگ اٹھے اور اپنا نیزہ لے کر سیدھے ان دونوں کے پاس پہنچے۔ دیکھا تو دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ کچھ گئے کہ اسیدؓ کا منشا یہ تھا کہ آپ بھی انکی بات سنیں لیکن یہ انکے پاس پہنچے تو کھڑے ہو کر سخت سست کہنے لگے: پھر اسعدؓ بن زرارہ کو

کیا اور جنگ میں لڑتا ہوا کام آگیا۔ اس نے ابھی اللہ کے لئے ایک سجدہ بھی نہ کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے تھوڑا عمل کیا اور زیادہ اجر پایا۔

حضرت مصعبؓ، حضرت اسعدؓ بن زرارہ ہی کے گھر مقیم رہ کر اسلام کی تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ انصار کا کوئی گھرانہ باقی نہ بچا جس میں چند مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہو چکی ہوں۔ صرف بنی امیہ بن زید اور خضرہ اور وائل کے مکانات باقی رہ گئے تھے۔ مشہور شاعر قیس بن اسلت انہیں کا آدمی تھا اور یہ لوگ اسی کی بات مانتے تھے۔ اس شاعر نے انہیں جنگ خندق (۵ھ) جبریٰ تک اسلام سے روکے رکھا۔ ہر حال اگلے موسم حج یعنی تیرہویں سال نبوت کا موسم حج آنے سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کامیابی کی بشارتیں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبائل یثرب کے حالات، انکی جنگی اور دفاعی صلاحیتوں اور خیر کی مہیاقتوں کی تفصیلات سنائیں۔
(الرحیق المختوم)

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے جذبہ ایمانی اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مدینہ سے مکہ واپس آکر سیدھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور مشرکہ ماں سے نہیں ملے۔ ماں کو پتہ چلا کہ انکا بیٹا آیا ہوا ہے تو انہیں اس طرح سرزنش کرتے ہوئے بلوایا کہ مافران جس شہر میں رہتی ہوں وہاں آتا ہے اور پہلے مجھ سے نہیں ملتا۔ مصعب بن عمیرؓ بھی صاف جواب دے دیتے ہیں کہ میں ایسا نہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی اور سے ملوں۔ ایمان کا معیار یہی ہے کہ اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے اللہ اور اسکے رسول کی محبت ماں، باپ اور ہر چیز سے زیادہ نہ ہو۔ مصعب بن عمیرؓ اللہ اور اسکے رسول کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ نبی علیہ السلام سے ملاقات کے بعد وہ اپنی ماں کے پاس گئے ہیں تو ماں نے پوچھا کہ کیا تو اب تک اسی غیر دین (یعنی اسلام) پر قائم ہے جس پر پہلے تھا۔ مصعب بن عمیرؓ کا صاف اور کھرا جواب تھا کہ ہاں میں رسول

مخاطب کر کے بولے، "خدا کی قسم اے ابوالامر، اگر میرے اور میرے درمیان قرابت کا معاملہ نہ ہوتا تو تم مجھ سے اس کی امید نہ رکھ سکتے تھے۔ ہمارے محلے میں آکر ایسی حرکتیں کرتے ہو جو ہمیں گوارا نہیں۔"

ادھر حضرت اسعدؓ نے حضرت مصعبؓ سے پہلے ہی سے کہہ دیا تھا کہ بخدا تمہارے پاس ایک ایسا سردار آ رہا ہے جس کے چچے اسکی پوری قوم ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر ان میں سے کوئی بھی نہ بچنے کا۔ اس لئے حضرت مصعبؓ نے حضرت اسعدؓ سے کہا، "کیوں نہ آپ تشریف رکھیں اور سنیں۔ اگر کوئی بات پسند آگئی تو قبول کر لیں اور اگر پسند نہ آئی تو ہم آپ کی ناسندیدہ بات کو آپ سے دور ہی رکھیں گے۔" حضرت اسعدؓ نے کہا، "انصاف کی بات کہتے ہو۔" اس کے بعد اپنا نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعبؓ نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔ ان کا بیان ہے کہ ہمیں حضرت اسعدؓ کے بولنے سے پہلے ہی انکے چہرے کی چمک دمک سے انکے اسلام کا پتا لگ گیا۔ انکے بعد انہوں نے زبان کھولی اور فرمایا، "تم لوگ اسلام لاتے ہو تو کیا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا، "آپ غسل کر لیں، کپڑے پاک کر لیں، پھر حق کی شہادت دیں، پھر دو رکعت نماز پڑھیں۔" حضرت اسعدؓ نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد اپنا نیزہ اٹھایا اور اپنی قوم کی محفل میں تشریف لائے۔ لوگوں نے دیکھتے ہی کہا، "ہم بخدا کہہ رہے ہیں کہ حضرت اسعدؓ جو چہرہ لے کر گئے تھے اس کے بجائے دوسرا ہی چہرہ لے کر پلٹے ہیں۔" پھر جب حضرت اسعدؓ اہل محفل کے پاس آکر رکتے ہوئے، "اے بنی عبدالمطلب! تم لوگ اپنے اندر میرا معاملہ کیسا جانتے ہو؟" انہوں نے کہا، آپ ہمارے سردار ہیں۔ سب سے اچھی سوچھ بوجھ کے مالک ہیں اور ہمارے سب سے بابرکت پاسبان ہیں۔ انہوں نے کہا، "اچھا تو سنو، اب تمہارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت حرام ہے جب تک کہ تم لوگ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاؤ۔" انکی اس بات کا یہ اثر ہوا کہ شام ہوتے ہوتے اس قبیلے کا کوئی بھی مرد اور کوئی بھی عورت ایسی نہ بچی جو مسلمان نہ ہو گئی ہو۔ صرف ایک آدمی جس کا نام امیرم تھا اسکا اسلام جنگ احد تک موخر ہوا۔ پھر احد کے دن اس نے اسلام قبول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر ہوں جسے اللہ نے اپنے اور اپنے رسول کے لئے پسند فرمایا ہے۔ میں یہ صاف جواب سن کر اپنی سریاں جھٹا شروع کر دیتی ہے مگر مصعب بن عمیر دو ٹوک الفاظ میں کہتے ہیں کہ میں اپنے دین پر قائم ہوں۔ میں نے جب یہ دیکھا کہ بیڑا پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تو انہیں دوبارہ قید میں جٹا کرنے کی دھمکی دیتی ہے۔ حرمت اور استقلال کے ہیکر مصعب بن عمیر بڑے ہی حتیٰ انداز میں میں پر واضح کر دیتے ہیں کہ اگر اب کسی نے مجھے قید یا قید میں ڈالنے کی کوشش کی تو میں اسے قتل کر دوں گا۔ میں نے یہ آبرو مندانہ انداز دیکھا تو رونے لگی اور کہا "جا چلا جا"۔ یہ بہترین موقع تھا کہ مصعب بن عمیر اپنی ماں کو دین کی دعوت پیش کرتے۔ انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دعوت پیش کرتے ہوئے کہا کہ پیاری ماں! میں تیرا غمناک خواہ ہوں اور تیری خیر خواہی چاہتا ہوں، تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آ۔ مضرک میں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ چلیکے ہوئے حماروں کی قسم میں ہرگز تیرے دین کو قبول نہیں کروں گی۔ چاہی سیری نظروں سے دور ہو جا۔ وہ وہاں سے واپس نبی علیہ السلام کی خدمت میں آجاتے ہیں۔ آخر وہ وقت آیا جب مشرکین کے ظلم و ستم سے بہرہ آزا مسلمانوں کو اہل مدینہ کی خواہش کے مطابق اسلام کے لئے مرکز مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائی گئی۔ بخاری روایت کرتے ہیں کہ براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مصعب بن عمیرؓ اور عبد اللہ بن ام مکتومؓ ہمارے پاس (مدینہ) آئے۔ یہ لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ ہر بلالؓ اور عمار بن یاسرؓ آئے۔ اس کے بعد عمر بن خطابؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اصحاب کے ہمراہ آئے، اس کے بعد نبی علیہ السلام تشریف لائے۔

مصعب بن عمیرؓ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو سعد بن معاذؓ کے سامان پہنچے اور جب نبی علیہ السلام نے منہرین اور انصار کے درمیان عقد موافقہ قائم کیا تو مصعب بن عمیرؓ کا رشتہ موافقہ مزینان رسولؐ ابو ایوب انصاریؓ کے ساتھ قائم کیا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ وہ صاحب فضیلت صحابی ہیں جنہیں اللہ کی راہ میں عین ہجرتوں کا

شرف حاصل ہوا۔ اور جب اللہ کے دین کے لئے جان کی بازی لگانے کا وقت آیا، حق و باطل کا ٹکراؤ ہوا، اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ پیش آیا جس میں قرابت دار اور خونی رشتے باہم مقابل ہوئے اس وقت بھی اس معرکہ آرائی میں مصعب بن عمیرؓ اس شان سے شریک ہوئے کہ جنگ بدر میں نبی علیہ السلام کی طرف سے سب سے بڑا تھنڈا انہی کے ہاتھ میں تھا۔ جنگ بدر میں شرکت انکی ایک اور فضیلت ہے۔ جنگ بدر کے شرکاء کا اللہ کی نظر میں جو بلند مقام ہے وہ بخاری کی درج ذیل احادیث میں بیان ہوا ہے۔

جبریل علیہ السلام نے پوچھا: آپؐ مسلمانوں میں اہل بدر کو کیا درجہ دیتے ہیں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: "بدر میں شرکت کرنے والے تمام مسلمانوں سے افضل ہیں۔" (بخاری)

حاطب رضی اللہ عنہ کے معاملے میں نبی علیہ السلام نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "کیا حاطب بدری صحابی نہیں ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر خاص توجہ کر کے فرمایا جو چاہو عمل کرو، تمہارے واسطے جنت واجب ہو گئی۔" (بخاری)

اس غزوے کی فضیلت کی یہ توجہ کچھ میں آتی ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے اپنی بے سرو سامانی کے باوجود صرف اللہ کی مدد اور نصرت کے بھروسے پر اپنے سے کئی گنا طاقت ور اور کیل کاٹنے سے لیس دشمن سے مقابلہ کیا اور ان سے قتال فی سبیل اللہ میں دنیا کی کوئی چیز مانع نہ ہوئی چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے رشتے داروں کو قتل کیا اور یہ خون بہانا صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے تھا۔ چنانچہ جنگ کے بعد محمد بن ابی بکرؓ نے جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے اپنے باپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ بدر کے میدان میں آپ کئی مرتبہ میری تلوار کی زد میں آئے مگر میں نے باپ کچھ کر چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹا اگر تو میری تلوار کی زد میں آتا تو میں نے چھوڑ دیا۔ اس جنگ میں قید ہو کر آنے والے مشرک رشتے داروں کے متعلق بھی مومنین کا یہی جذبہ تھا۔ چنانچہ عمر بن خطابؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہی مشورہ دیا تھا کہ ہر قیدی کو اسکے رشتے دار کے حوالے کیا جائے اور وہ اسے قتل کرے۔ صحابہ کرام کے نزدیک ایمانی رشتہ خوئی رشتوں پر مقدم تھا۔ اس کا اعتراف مصعب بن عمیرؓ کے اس اقدام سے بھی ہوتا ہے کہ جب انکے بھائی ابو عزیٰ بن عمیرؓ جنگ بدر میں قید ہو کر آئے اور ایک انصاری صحابی عمرزہؓ کے حوالے ہوئے تو ان انصاری صحابی سے مصعب بن عمیرؓ نے کہا کہ اسکے دونوں ہاتھ باندھ کر رکھو، اسکی ماں بہت مالدار ہے، اچھا خدیہ لے گا۔ ابو عزیٰ نے مصعب بن عمیرؓ سے کہا کہ اسے بھائی، میرے ساتھ تیرا یہ سلوک ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ تیرے بجائے عمرزہ میرا بھائی ہے۔ (حیات الصحابہ، جلد دوم، صفحہ ۳۵۲)

۳۔ جہی میں جنگ بدر کی شکست کا داغ مٹانے کے لئے مشرکین مکہ زبردست تیاریاں کر کے جنگ کے لئے نکلے تو جنگ احد پیش آئی۔ مصعب بن عمیرؓ اس جنگ میں بھی شریک ہوئے۔ اس جنگ میں بھی آپ کے ہاتھ میں، چھنڈا تھا۔ اس جنگ میں بڑی پامردی سے لڑے یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ جاوہ حق کے مسافر کی یہی تو منزل تھی اور میدان حق کے شہسوار کو یہی مطلوب اور مقصود تھا۔

احمد کے شہداء کی اللہ کی نظر میں قدر و منزلت اور خصوصی اعایات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ فرمایا،
وَلَا تَحْزَبِیْنَ الَّذِیْنَ قَتَلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بِلْ اَحْیَاءِ
عِنْدَ رَبِّہُمْ یَرْزُقُوْنَہُمْ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ
اٰلِ عِمْرَانَ ۱۶۸

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انکو مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔ اور اللہ نے اپنے فضل سے جو انکو عطا کیا اس پر فرح و شادیاں ہیں۔“

مردوں نے کہا کہ ہم نے عبداللہؓ بن مسعودؓ سے قرآن کی اس آیت وَلَا تَحْزَبِیْنَ الَّذِیْنَ قَتَلُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بِلْ اَحْیَاءِ عِنْدَ رَبِّہُمْ یَرْزُقُوْنَہُمْ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہؐ سے

دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز لائے والے قابضوں میں ہیں اور انکے لئے قہقہے ہیں، عرش الہی سے ملتی ہوتی ہیں۔ وہ جنت میں جہاں چاہیں گھومتے پھرتے ہیں اور پھر ان قہقہوں میں آکر بسیرا کرتے ہیں۔ ان کی طرف ان کے رب نے جھانکا اور ارشاد فرمایا کہ کسی اور چیز کی تمہیں خواہش ہے۔ شہداء نے جواب دیا کہ اب ہم کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں، جب ہمداحی یہ ہے کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مزے کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح میں بدن ان سے دریافت کیا اور شہداء نے دیکھا کہ جب تک وہ کسی خواہش کا اظہار نہ کریں گے انکا رب ان سے برابر پوچھتا رہے گا تو انہوں نے کہا کہ ملک ہماری تمنا یہ ہے کہ ہماری روحوں کو پھر ہمارے جسموں میں واپس لٹا دیا جائے اور ہم دوسری مرتبہ تیری راہ میں شہید کئے جائیں۔ اب ملک نے دیکھ لیا کہ انہیں کسی اور چیز کی خواہش نہیں ہے تو پھر ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔ (مسلم)

شہداء احمد کی تکفین و دفن کا منظر بھی عجیب و دلگذا ہے۔ اسلام سے قبل شاہانہ انداز سے زندگی بسر کرنے والے شہزادے مصعب بن عمیرؓ کے بدن پر ایک ہی چادر تھی جو انکا کفن بنی، اور وہ بھی اتنی چھوٹی تھی کہ اس سے سر ڈھانپتے تو انکے پیر کھل جاتے اور پیر ڈھانپتے تو سر کھل جاتا۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سر کو ڈھانپ دو اور پھل پر اذخر گھاس رکھ کر دفن کر دو۔ پھر ایسا ہی کیا گیا۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں مصعب بن عمیرؓ کا بھد احترام تھا اور وہ ان کو وقتاً فوقتاً یاد کر کے آبدیدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ بخاری میں مذکور ہے جس میں حضرت جعفرؓ میں شامل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست راست کی حیثیت رکھنے والے عبدالرحمن بن عوفؓ مصعب بن عمیرؓ کو اپنے سے بستر بٹاتے ہیں۔

مصعب بن عمیرؓ صبر و شہادت، ایثار و وفا اور عزم و استقلال کے پیکر تھے۔ انکی زندگی بلاشبہ اس آیت کی تفسیر نظر آتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَشَاقِیْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ
اللّٰہَ لَہُمْ الْجَنَّةُ (التوبہ)

”بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جنت کے عرصہ میں جان و مال کا

باقی صفحہ نمبر ۷۲ کا م نمبر ۱

قافلہ ہے روالہ دوارحمہ (بحمد اللہ)

ترتیب: شکیل الرحمن
منور سلطان، کیپٹن ارشد و غلام اللہ

اجتماع عام (صوبہ پنجاب)

پنجاب سطح پر منعقد ہونے والا یہ چوتھا اجتماع عام گزشتہ سال کی طرح اس دفعہ (۱۹۹۶ء میں) اپریل کی ۲ اور ۳ تاریخ کو ہوا، البتہ مقام اجتماع اب کے مسجد توحید، توحید نگر، کیر وال، ضلع خانیوال تھا۔ اس اجتماع میں پنجاب کے علاوہ بلوچستان، سرحد و آزاد کشمیر اور سندھ بالخصوص کراچی سے بھی کافی ساتھیوں نے شرکت کی۔

۲ اپریل کو صلاۃ الفجر کے بعد پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے سورہ ابراہیم کی آیات (۱۰ تا ۱۱) پر مشتمل درس قرآن دیا، اشراق و باریق کے وقفے کے بعد تقریباً آٹھ بجے صبح اس اجتماع کا باقاعدہ آغاز آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد خان صاحب کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ الصف کے دوسرے رکوع کی آیات (۱۰ تا ۱۳) کی روشنی میں اہل ایمان کی ذمہ داریوں کے تعلق سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے محض اہل ایمان کے بیان و مال کا سودا کیا ہے (سورۃ التوبہ) لیکن یہ سودا اور اس سلسلے میں الفاے عمد محض زبانی جمع خرچ پر نہیں بلکہ صحیح معنوں میں ایمان کا تقاضا پورا کرنے یعنی اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے مشروط ہے۔ اسی طرح ان آیات میں بھی اہل ایمان کو صحیح معنوں میں ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کی تعلیم فرمائی گئی ہے اور پھر اللہ کی طرف سے مغفرت و جنت اور اسکی لازوال نعمتوں کے ساتھ عظیم کامیابی اور دنیا کی سرفرازی کی بشارت بھی دی گئی ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں عام طور پر دعویداران ایمان کا رویہ اور طرز عمل ایمان کے

خلاف ہی ہوتا ہے اور وہ ایمان کا تقاضا پورا کرنے یعنی کتاب و سنت کی تعلیمات کی پیروی کے بجائے آباد ابداد، رسوم و رواج اور خواہشات نفس کے پیروکار ہوتے ہیں جبکہ اللہ کے نزدیک محض اس طرح کا دعویٰ ایمان نہیں بلکہ وہ مطلوب طرز عمل اور سیرت و کردار معبر اور قابل قبول ہوتا ہے جو ایمان لانے کے بعد اس کے تقاضے کے طور پر اختیار کیا جائے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کر دکھایا جو ایمان کے سچے دعویدار اور کتاب و سنت کی تعلیمات کا عملی پیگیر اور ان آیات کے اولین مخاطب تھے۔ پھر انکی پیروی میں تابعین و تبع تابعین کے اندر یہ رنگ پایا گیا، جبکہ انکے مقابلے میں آج دعویداران ایمان و اسلام قرآن وحدیث سے دوری کے سبب گمراہی کا شکار ہیں۔ چنانچہ انکے نزدیک انکے علماء و مشائخ کے مفلوظات اور تصوف کے گمراہ کن نظریات زیادہ قابل پیروی ہیں۔ حاجۃ الناس کا رویہ یہ ہے کہ تمام تر ذمہ داری علماء و مشائخ کے سر پر رکھ کر خود کو بری الذمہ سمجھتے ہیں اور وہ اپنے ان اندھے پیروکاروں سے اپنی خدمات کا بھرپور معائنہ وصول کر کے انکو اپنے گروہوں، فرقوں اور مسلکوں کے ساتھ جوڑ کر مطمئن ہیں کہ انکا کام بھی چل رہا ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر بے حسی کا عالم یہ ہے کہ اپنی جگہ امت کی بربادی کے اعتراف کے باوجود اپنے فرقے یا مسلک کی حد تک خود کو محفوظ سمجھا جاتا ہے۔

اللہ کی کتاب اس طرز فکر و عمل کی تردید کرتی ہے اور ایمان کے دعویداروں کو صحیح معنوں میں اپنے ایمان کا جائزہ لینے، اسکی قدر

پچاننے اور اسکا تقاضا پورا کرنے کے لئے توجہ دلاتی ہے۔ آج کے ان حالات میں جن سے ہم دوچار ہیں، ایمان خالص کی دعوت پر لبیک کہہ کر اس کے ساتھ ہو جانا اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے لیکن یاد رہے کہ اسکی ذمہ داری بھی اسی طرح عظیم و گرانہار ہے۔ یہ ذمہ داری شہادت علی اللہ یا المر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے اللہ سے کہتے ہوئے حمد کو پورا کرنے اور اس عظیم ذمہ داری سے عمدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اہل ایمان انفرادی اور اجتماعی سطح پر کتاب و سنت کی تعلیمات سے تعلق جوڑیں، ان پر عمل پیرا ہوں اور اس سلسلے میں تعلیم و تربیت کے مراحل سے گزریں۔

انہوں نے اسی حوالے سے شرکاء اجتماع کو انکی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے بتایا کہ جس طرح انسانی زندگی کے لئے غذا ضروری ہے اور اس سے الگ رہ کر زندگی کا تصور ممکن نہیں، اسی طرح کتاب و سنت سے تعلق دین و ایمان کی جگہ اور اس راہ میں استقامت کے لئے ضروری ہے۔ ان سے دوری اور لا تعلق کا لازمی نتیجہ بے دینی اور گمراہی ہے، جسکی صورت آج ہمارے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کتاب و سنت سے باقاعدہ تعلق ایمان والوں کے لئے اس راہ کا موثر ترین ہتھیار ہے۔ آج شاید اہل ایمان اس طرح کی شدید آزمائشوں سے دوچار نہ ہوں جو اجداتی دور کے لوگوں کو پیش آئی تھیں، تاہم اس راہ کی آزمائشوں میں سے ہمارے لئے ایک بڑی آزمائش یہ بھی ہے کہ ہمارا ساتھ فوری طور پر جس قوم سے ہے وہ اہل کتاب ہونے کے باطنی دینی تعلیمات سے یکسر نااہل نہیں۔ اس کے علم و مشائخ و بندگان نہ کسی فن و بیداری میں چالاک و ماہر ہیں۔ ان کا ایک وسیع حلقہ اثر ہے اور ان کے بنیونی عقائد و نظریات کا ایک باقاعدہ نظام فکر و عمل ہے۔ چنانچہ ان سے مقابلہ کرنے کے لئے آپ کو قرآن و حدیث کی تعلیمات سے لیس ہونا پڑے گا اور ان سے بے پدائی اور کنارہ کشی ہلاکت خیز ہوگی۔ اس لئے اہل ایمان ساتھیوں کے پیش نظر یہ بات بہر حال رہنی چاہیے کہ انہیں اپنے آپ کو اس

کے لئے تیار کرنا ہے۔ اس طرح کے اجتماعات اور ان کے اندر رکھے جانے والے پروگراموں کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ساتھی ان میں ذوق و شوق سے شریک ہوں، ان سے بھرپور استفادہ کریں اور پھر اپنی اپنی جگہ اسکی کوشش جاری رکھیں تاکہ یہ سلسلہ پھیلتا چلا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی بھرپور توفیق سے نوازے۔ آمین

اقتضائی کلمات کے بعد کراچی کے نوجوان ساتھی خالد عزیز نے اصول تجوید کے سلسلے میں قرآنی حروف تہجی کے تخرج کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور شرکاء اجتماع کو اسکی مشق بھی کرائی۔

وقفے کے بعد سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے سورۃ البقرہ

کی آیات ۲۵۶ و ۲۵۷ کے حوالے سے کفر بالطغوت کے موضوع پر خطاب کیا۔ انہوں نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں کفر بالطغوت کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ قرآن میں مختلف انداز سے آٹھ مقامات پر طغوت کا ذکر آیا ہے اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حائل ہو جائے۔ اس طرح کہ اللہ کے مقابلے میں اسکی پوجا پاٹ ہونے لگے یا اللہ کے مقابلے میں اس کے وقار کا بھی لحاظ و خیال رکھا جانے لگے۔ کفر بالطغوت یا رو طغوت کی اہمیت کے سلسلے میں انہوں نے بیان کیا کہ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اس کے بغیر کسی کا ایمان محتر نہیں قرار پاتا (فمن یكفر بالطغوت ویؤمن باللہ... البقرہ ۲۵۶) اور یہ کہ طغوت سے اجتناب تمام انبیاء عظیم السلام کی دعوت کا لازمی جزو رہا ہے (ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً ان اعبدوا اللہ و اجتنبوا الطغوت... النحل ۳۶)۔

اس کے بعد شرکاء اجتماع کے درمیان تعارفی نشست ہوئی جس میں ساتھیوں نے مختصر انداز میں اپنا اپنا تعارف پیش کیا۔ باہمی تعارف کے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس میں ہمیں منٹ دورانیے کی چھ تقریریں ہوئیں۔ فہم القرآن کی تقریر کا موضوع سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۸ (کیف نکفون باللہ وکنتم لمولانا) ارجا تھی۔

مختلف حلقوں سے تعلق رکھنے والے چھ ساتھیوں نے مذکورہ موضوع پر تھارہ کہیں جن میں سے ہتر کارکردگی کے اعتبار سے محمد شہیر (کبیر والد - حال کراچی) کو اول، محمد حسین (جوہر آباد) کو دوم اور عبداللہ عمر (خوینگی، سرحد) کو سوم قرار دیا گیا۔

صلوٰۃ العصر کے بعد کراچی کے سعید احمد صاحب نے فقہ انکار حدیث کے سلسلے میں رفع یمینی علیہ السلام کے موضوع پر تقریر کی۔ انہوں نے قرآن وحدیث کے متعدد حوالوں سے اس بات کی وضاحت کی کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے قتل و صلیب کے عہدوں کی تردید میں کتاب وسنت کا حقیقی علیہ موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا تھا اور اب وہ قرب قیامت کی نشانی کے طور پر نازل ہونگے۔ جبکہ منکرین حدیث اور قادیانی بھی یہود و نصاریٰ کی طرز پر مسیح علیہ السلام کی وفات کے بارے میں ایک ہی نظریہ رکھتے ہیں جو ان کے مخصوص عزائم کی عکاسی کرتا ہے۔ مرزا قادیانی نے قرآن وحدیث کے انکار پر مبنی عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے نظریے کی آڑ میں خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر کے ختم نبوت کے خلاف اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے جبکہ منکرین حدیث اس طرح کے مسائل اٹھا کر حدیث کی اہمیت کو گھٹانے بلکہ ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ اللہ کی کتاب کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ کر کے محض لغت اور منی تدلیلات کا تختہ مشق بنادیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے قرآنی تعلیمات کے خلاف اسوۂ رسول کی پیروی کے مقابلے میں مرکز ملت کا تصور پیش کیا ہے کہ مرکز ملت کا فیصلہ سب کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ انہوں نے اس حوالے سے شرکاء اجتماع کو اس بات کا احساس دلایا کہ دعوت کے میدان میں بالخصوص اس طرح کے قتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو کتاب وسنت کی تعلیمات سے آراستہ و ہم آہنگ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد مرکزی شوریٰ کے رکن محمدی گل

صاحب نے سورۃ الاعراف کی آیات ۱۷۵ تا ۱۷۷ کے حوالے سے خطاب کیا جسکو بڑی توجہ سے سنا گیا۔ انہوں نے مذکورہ آیات کی روشنی میں انسانی معاشرے کے ایک ایسے کردار کے خدوخال کو واضح کیا جسکو اللہ نے اپنی کتاب کی آیات یعنی علم دین سے نوازا لیکن وہ اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ کا برگزیدہ بننے کے بجائے شیطان کے وار سے گھائل ہو کر دنیا کی طرف جھک پڑتا ہے۔ مفادات دنیا اور خواہش نفس کا پرچار بن کر بہت ہی گھٹن و مایوسہ عمل اختیار کرتا ہے۔ لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف رہنمائی کرنے کے بجائے انکو اپنا پیروکار اور مرید یا غلام بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خصوصی کردار اور اسکی پیروی اختیار کر کے اپنی کتاب کی آیات کو گھٹانے والوں کو ”کفّٰر“ سے تشبیہ و تکرار ایک بری مثال کے ذریعے اظہارِ ناپسندیدگی فرمایا ہے اور انکو لوگوں کے سامنے پہن کرنے کی تعلیم فرمائی ہے تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

۳ اپریل کو صلوٰۃ الفجر کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے سورۃ الانبیاء کی آیات ۲۱، ۲۲، ۲۳ اور ۲۴ پر مشتمل درس قرآن دیا اور متعلقہ سورۃ کے تناظر میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت توحید کی حقانیت اور اسکے مقابلے میں شرکاء عظامہ کے بودے پن کو واضح کیا۔

اشراق و ناشق کے وقفے کے بعد کراچی کے ساتھی و سرکاری شوریٰ کے رکن یعقوب علی صاحب نے مطالعہ حدیث کے سلسلے میں حدیث کی اہمیت اور عہد دین کو وضاحت سے بیان کیا۔ انہوں نے معجزہ سے لیکر آج کے منکرین حدیث تک حدیث کی حجت کا انکار کرنے والوں سے شرکاء اجتماع کو روکنا کرایا اور قرآن وحدیث کے متعدد حوالوں سے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور حجت دین ثابت کرتے ہوئے عہد دین حدیث کے سلسلے میں منکرین حدیث کے اعتراضات کو رد کیا اور بتایا کہ حدیث کا انکار کرنے والے دراصل قرآن کے منکر ہیں۔ بعد ازاں مطالعہ حدیث کے تعلق

کو ہر طرح کے شرک سے اجتناب کرتے ہوئے خالص اپنی بندگی کی تعلیم فرمائی ہے۔

آخر میں واہ (راولپنڈی) کے ساتھی محمد اعظم خان نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی آیات کی روشنی میں رحمن کے بندوں کی صفات کو تفصیل سے بیان کیا۔ جس کے بعد امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر یہ دوروزہ اجتماع عام اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کی آیات کے حوالے سے شرکاء اجتماع کو اللہ کی عطا کردہ بامقصد زندگی کے تقاضوں سے صحیح معنوں میں عمدہ برآ ہونے کے لئے اپنے اندر احساس ذمہ داری کو اجاگر کرنے کی تلقین کی اور اس طرح کے اجتماعات سے نظم و ضبط اور بھرپور توجہ کے ساتھ استفادہ کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

امیر تنظیم کا دورۃ پنجاب

اس دس روزہ (۵ تا ۱۴ مئی ۱۹۹۳ء) دورے کے سلسلے میں امیر تنظیم محترم محمد حنیف صاحب ۲ مئی کو صلوٰۃ الفجر کے بعد کراچی سے آٹھ ساتھیوں کے ہمراہ بذریعہ ونگن روانہ ہو کر رات دس بجے ترمذہ (ضلع رحیم یار خان) پہنچے، جہاں سے امیر پنجاب حکیم محمد رمضان صاحب کو ساتھ لیکر دورے کا آغاز ہوتا تھا۔ یہ دورہ ترمذہ، بہاولپور، چک نمبر 874۱، حاصل پور، بخشن خاں، ہیڈ سلیمانکی، قصور، عبداللہ والہ (سیوال)، فیصل آباد، جھنگ، بڑانہ، کھانواں، بستی جونیاں، جوہر آباد، کندیاں، میانوالی، ڈیرہ اسماعیل خان، دریا خان، لیہ، کوٹلہ لٹاری اور مظفر گڑھ کے علاوہ سندھ میں اوہڑو اور نیو سعید آباد کے علاقوں پر مشتمل تھا۔ اس دورے کے دوران مذکورہ علاقوں میں واقع مساجد اور مراکز میں مقامی ساتھیوں سے رابطہ و ملاقات اور باہمی تعارف و مشورت کے علاوہ درس قرآن اور سوال و جواب کے پروگرام ہوئے اور بعض مقامات پر مثلاً فیصل آباد شر کے ایک حصے کھانواں (نور پور تحصیل) میں مقامی طور پر لوگوں کے

سے اس پروگرام پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر تنظیم نے حاضرین کو اس موضوع کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ اللہ کا دین انسان کو اللہ کا بندہ بناتا ہے۔ اسے بے قید نہیں چھوڑتا بلکہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کا پابند بناتا ہے۔ فتنہ انگار حدیث و اصل اللہ کے دین سے دور کرنے کا ایک حربہ ہے۔ اطاعت کے طریقے سے آزادی کا مطلب ارکان اسلام اور باآخر دین اسلام کا خاتمہ ہے۔ چنانچہ پرانے اور نئے مفکرین حدیث کا مقصد یہی ہے۔ آج کے منکرین حدیث میں علماء دین کے روپ میں ذہنی مرعوبیت کا شکار ایک موثر گروہ سرگرم عمل ہے جس نے اپنی کتابوں میں مستند ترین مجموعہ حدیث صحیح بخاری کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اسی طرح فقہ القرآن کے نام سے کتابیں لکھ کر حدیث کی اہمیت کو گھٹانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس لئے اس موضوع کی اہمیت کو سمجھنا ہے۔ حدیث اور اصول حدیث سے واقفیت وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ہمارا مقصد ان فتنہ انگیزوں کے مقابلے میں قرآن و حدیث کے دین کو لوگوں تک پہنچانا ہے۔

مطالعہ حدیث کے پروگرام کے بعد کمیشن (ار ارشد صاحب نے سورۃ الجادلہ کے آخری رکوع کی آیات کی روشنی میں منافقانہ صفات کے حامل حزب الشیطان اور مومنانہ کردار کے حامل حزب اللہ کے درمیان فرق و امتیاز کو واضح کیا۔ بعد ازاں جوہر آباد کے ناظم فیاض محمود صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیت ومن الناس من یخذ من دونہ لئلا یعلموہم کذب فہ... کے حوالے سے تقریر کرتے ہوئے قرآن کی متعدد آیات کی روشنی میں بیان کیا کہ انسانوں کی اکثریت نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اسکی نعمتوں کو فراموش کیا اور اللہ کے مقابلے میں مخلوق کی محبت و عقیدت میں غلو کر کے اسکو اللہ کا بند، ساتھی اور شریک ٹھہرایا ہے۔ اللہ کے وقار کے مقابلے میں مخلوق کے وقار کو ترجیح دی ہے اور اس طرح اللہ کی بندگی کے مقابلے میں مخلوق کی پوجا پاٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جبکہ اللہ نے انسانوں

سامنے دعوت الی اللہ بھی پیش کی گئی۔ دوران سفر پنجاب کے دوسرے علاقوں سے بھی جمید جمید ساتھی امیر تنظیم کے قافلے میں شامل ہو کر مختلف مقامات پر پروگراموں میں شریک ہوتے رہے۔ اس دورے میں دوسرے قرآن اور دعوت الی اللہ کی تقاریر کے سلسلے میں امیر پنجاب، کراچی سے مرکزی شوریٰ کے رکن محمد افضل صاحب، عبد الغفار صاحب اور سعید احمد صاحب، آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد خان صاحب، خانیوال کے عالم ہاسٹر سر فراز صاحب اور لاہور سے کمیٹی (ارارشد صاحب نے امیر تنظیم کی معاونت کی۔ اس سلسلے کا آخری پروگرام سندھ میں نیو سعید آباد کے مقام پر ہوا جہاں ناظم آباد اور محمود آباد کراچی کے ساتھی پہلے پہنچ کر مقامی طور پر لوگوں کے سامنے دعوت الی اللہ بھی پیش کر چکے تھے۔ صلوٰۃ العصر کے بعد عبد الغفار صاحب نے درس قرآن دیا اور امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دئے جس کے بعد واپس کراچی کیلئے روانگی ہوئی۔

دورہ بلوچستان اور دعوت الی اللہ

ستمبر ۱۹۹۵ء میں عین روزہ دعوت الی اللہ کے پروگرام کے دوران بلوچستان کے مختلف علاقوں (ارکئی، نورانی، قلعہ سیف اللہ، مسلم باغ، کپلک، کوئٹہ اور زیارت ایس تقاریر کے علاوہ دعوتی لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا تھا۔ چنانچہ جون ۱۹۹۶ء میں اسکے اعادے کے لئے کراچی سے چند ساتھی (جن میں مرکزی شوریٰ کے ارکان محمدی گل صاحب اور محمد افضل خان صاحب بھی شامل تھے) اور امیر پنجاب حکیم محمد رمضان صاحب کے ہمراہ پنجاب اور بلوچستان کے بیکس عیس ساتھی کوئٹہ پہنچے۔ جنہوں نے ۲۵-۲۴ جون کو کوئٹہ، زیارت اور اسکے درمیان ایک دو مقامات کے علاوہ مستونگ میں لوگوں کے سامنے دعوت الی اللہ پیش کی اور شرک کی ہلاکت غیری کو واضح کرتے ہوئے اس سے بچنے کی نصیحتیں کی اور ساتھ ہی ساتھ دعوتی لٹریچر کافی تعداد میں تقسیم کیا گیا۔

بلوچستان میں دعوت الی اللہ کے اعادے اور اسکے مزید آگے بڑھانے کے سلسلے میں پھر اگست ۱۹۹۶ء میں امیر تنظیم محمد حنیف صاحب کے

دورے کا پروگرام ترتیب دیا گیا۔ چنانچہ ۱۸ اگست کو امیر تنظیم کراچی سے چند ساتھیوں کے ہمراہ روانہ ہو کر لیاقت پور سے امیر پنجاب سمیت ترنہ (رحیم یار خان) کے ساتھیوں اور مسجد توحید ڈیرہ غازی خان میں جمع ہونے والے پنجاب کے کچھ اور ساتھیوں کو لینے ہوئے ۱۹ اگست کو مغرب سے قبل بلوچستان کے مرکز واقع لہیستی کو ڈی (ضلع بارکھان) پہنچ گئے۔ جہاں صلوٰۃ المغرب کے بعد پہلے امیر تنظیم نے سورۃ الرعد کے عیسرے رکوع کی آیات کے حوالے سے مختصر خطاب کیا پھر صوبہ پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے کفر باطلاعت کے موضوع پر تقریر کی اور کتاب و سنت کے حوالوں کی روشنی میں طاغوت کے مہموم کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ طاغوت کا کفر یا رد اللہ کی بارگاہیں ایمان کی قبولیت کے لئے لازمی شرط ہے۔ حکیم صاحب کی تقریر کے بعد امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دئے۔

۲۰ اگست کو صلوٰۃ الفجر کے بعد ضلع خانیوال کے ناظم ہاسٹر سر فراز

صاحب نے سورۃ التوبہ کی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا۔ اشراق و ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد تقریباً آٹھ بجے صبح کراچی، پنجاب اور بلوچستان کے ساتھیوں پر مشتمل قافلہ امیر تنظیم کی معیت میں دعوت الی اللہ کے لئے مرٹاکینی روانہ ہوا۔ عصر و مغرب کے درمیان کراچی کے نوجوان ساتھی افضل خان نے مرٹاکینی کے لوگوں کے سامنے پشتو زبان میں الواحد کی بندگی کی دعوت پیش کی جس کے بعد دعوتی لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا۔ مرٹاکینی میں دعوت الی اللہ سے فارغ ہو کر ٹوبہ کی طرف روانگی ہوئی اور رات کو ایک بجے ٹوبہ پہنچ کر ایک مسجد میں قیام کیا۔ اگلے روز یعنی ۲۱ اگست کو تقریباً آٹھ بجے صبح سے ٹوبہ شہر کے بازاروں میں دو گھنٹے تک دعوت الی اللہ کا پروگرام ہوا جس کے دوران کراچی کے ساتھیوں شرافت اللہ صاحب، بخت نواب صاحب اور افضل خان صاحب نے پشتو زبان میں لوگوں کے سامنے شرک سے بچتے ہوئے اللہ کی بندگی اور آخرت کے بلوے پر مشتمل دعوت پیش کی اور پورے شہر میں دعوتی لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ بعد ازاں ٹوبہ شہر میں کھانا کھا

قلعہ سیف اللہ کی طرف روانگی ہوئی۔ ۳ بجے کے قریب قلعہ سیف اللہ پہنچ کر کراچی کے شرافت اللہ صاحب نے پشتوں میں عقائد کی اصلاح پر مبنی دعوت الی اللہ پیش کی اور مقامی طور پر دعوتی سرچر بھی تقسیم کیا گیا۔ قلعہ سیف اللہ میں دعوت الی اللہ کی تکمیل پر امیر تنظیم کے دورہ بلوچستان اور دعوت الی اللہ کا یہ عین روزہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ جس کے بعد ساتھیوں نے ظہر و عصر کی صلوٰۃ ایک ساتھ ادا کی اور پھر واپس روانہ ہو گئے۔

سالانہ تربیتی اجتماع برائے طلبہ و نوجوانان

حسب سابق طلبہ اور نوجوانوں کا یہ اجتماع ناظمین کے سالانہ تربیتی اجتماع سے ایک روز قبل ۳ اکتوبر ۱۹۹۹ء بروز اتوار مسجد توحید، ڈیرہ جدید (سرگودھا) میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں شرکت کے لئے پنجاب اور سندھ کے مختلف علاقوں (بشمول کراچی) کے علاوہ صوبہ سرحد سے بھی طلبہ اور نوجوان ساتھی ۴ اکتوبر کی رات تک اجتماع گاہ میں پہنچ گئے تھے۔ ۴ اکتوبر کو صلوٰۃ الفجر کے بعد ناظم طلبہ و نوجوانان پاکستان خالد محمود بخاری صاحب نے سورۃ الاحزاب کی آیت ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ“ کے حوالے سے درس قرآن وحدیث دیا۔ جس میں انہوں نے دعوت توحید کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے طریقہ کار کو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اختیار کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے اس سلسلے میں نبی علیہ السلام کے طریقہ دعوت اور اخلاق حسنہ کی کتاب و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں وضاحت کی اور غزوہ احد کے واقعات کے حوالے سے صحابہ کرام کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور جزیہ اطاعت رسول کی مثالیں بیان کرتے ہوئے نوجوان ساتھیوں کو صحابہ کرام کی طرز پر سنت رسول سے محبت اور اسکے ساتھ مخلصانہ تعلق جوڑنے کی تلقین کی۔ اشراق و ناستی کے وقفے کے بعد نوجوانوں کے اس اجتماع کا باقاعدہ آغاز ضلع سرگودھا کے ناظم باسٹر عبدالعزیز کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ الرحمن کی ابتدائی چار آیات کے حوالے سے

انسانیت پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر کیا اور صحابہ کرامؓ بالخصوص مصعب بن عمیرؓ اور خباب بن الارتؓ کی مثالیں دیتے ہوئے نوجوان ساتھیوں کو اپنی انگلیوں اور خواہشات کو کتاب و سنت کے تابع کرنے کی تلقین کی۔ اسکے بعد کھانچہ ”یہ مزار یہ میلہ“ سے تحریری امتحان ہوا۔ تحریری امتحان میں حصہ لینے والے طلبہ و نوجوانوں میں کراچی کے محمد شیر اول، عبدالرؤف دوم اور ساگھر کے غلام اللہ سوم رہے۔

فہم القرآن کے پروگرام کے تحت سورۃ العنکبوت کی آیت ”والذین جاهدوا فینا لنہدینہم مبلنا“ کے حوالے سے ہونے والی تقاریر میں کراچی سے تعلق رکھنے والے عین نوجوانوں عبدالرؤف، آصف علی خان اور محمد شیر نے بالترتیب پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔ بعد ازاں کمیشن (راارشد صاحب نے سورۃ التوبہ کی آیت ”هو الذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق“ پر مشتمل درس قرآن دیا۔ اور شرکاء اجتماع کو بتایا کہ غلبہ دین حق کا قرآنی تصور یہ ہے کہ طاغوت سے مکمل طور پر اجتناب کرتے ہوئے فقط اللہ کی بندگی کی دعوت کو اٹھا کر اس راہ میں استقامت اختیار کی جائے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات اسی بات کی طرف رہنمائی کرتی ہیں جبکہ جمہوریت کی بازیگری یا کسی اور ہنگامی طریقے سے اسلام نافذ کرنے کا خیال محض دھوکہ اور قرآن و سنت کے خلاف ہے۔

صلوٰۃ الفجر کے وقفے کے بعد نوجوانوں کے درمیان قرآن وحدیث پر مبنی معلوماتی مقابلہ ہوا جس میں مرحلہ وار سوالات کے جواب دیتے ہوئے لاہور کے ہزار لطیف بٹ اول، کراچی کے محمد شیر دوم اور عبدالرؤف سوم رہے۔ صلوٰۃ العصر کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی جس میں نوجوان ساتھیوں نے باری باری اپنا تعارف پیش کیا اور اسکے ساتھ ہی یہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ صلوٰۃ المغرب کے بعد طلبہ ناظمین کی شوری کا اجلاس ہوا۔

کل پاکستان تربیتی اجتماع برائے ناظمین

گزشتہ دو سالوں کی طرح اکتوبر ۱۹۹۹ء کا یہ اجتماع ناظمین بھی

مسجد توحید ذریعہ جدید (سرگودھا) میں منعقد ہوا۔ جس میں سرحد و آزاد کشمیر، بلوچستان، سندھ (بشمول کراچی) اور پنجاب کے مختلف علاقوں سے ناظمین، نائب ناظمین اور جدید و جدیدہ ساتھیوں نے شرکت کی۔ دور دراز سے آنیوالے ساتھیوں کی اکثریت ۳۰ اکتوبر کی رات تک اجتماع گاہ میں پہنچ گئی تھی جبکہ قرب و جوار کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے ساتھی ۳۱ اکتوبر کی صبح کو پہنچے۔ تاہم اس وفد عطا معلوم بہت ہی نمایاں تھی مقامی بزرگ ساتھی اور شفیق مزیان اللہ یار کلیار مرحوم کی عدم موجودگی تھی جسے سب ہی محسوس کرتے رہے۔

۳۱ اکتوبر کو صلاۃ الفجر کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبد العزیز صاحب نے سورۃ الحجرات کی آیات ”قالت الاعراب امنا“ و ”لله بصیر بما تعملون“ پر مشتمل درس قرآن دیا۔ انہوں نے مذکورہ آیات کے حوالے سے ایمان اور اسلام کے فرق کو واضح کرتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کی صداقت کا معیار یہ ہے کہ اس حقیقت کو شعوری طور پر قبول کرنے والے پھر کسی قسم کے شک میں نہ پڑیں اور انہیں اپنے اس فیصلے پر کبھی ہچکچاتا نہ ہو۔ بلکہ وہ پورے اعتماد و اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی پیش کر کے اپنے ایمان کی گواہی دینے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہی کے ایمان کی تصدیق فرماتا ہے تاہم وہ ان کے مقابلے میں محض غلبہ دین سے متاثر ہو کر اطاعت اختیار کرنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی فرماتا ہے کہ اگر وہ اخلاص کے ساتھ اطاعت کی روش پر قائم رہے تو انہیں اس راہ میں آگے بڑھنے کی توفیق ملے گی اور اس طرح ان کے اعمال میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہوگا۔

اشراق و تاشق سے فارغ ہونے کے بعد تقریباً آٹھ بجے اس اجتماع کا باقاعدہ آغاز امیر تنظیم کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے سورۃ الاعراف کے ایک سو بیس رکوع کی آیات کی روشنی میں اقامت و دعوت دین کے تعلق سے بنی اسرائیل کی غیر ذمہ دارانہ روش کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اسکی پاداش میں وہ نہ صرف اس منصب سے معزول

کروئے گئے بلکہ بدترین عذاب سے بھی دوچار ہوئے۔ چنانچہ اس لمبے منظر میں انہوں نے کتب و سنت کے حوالوں کے ذریعے شرکاء اجتماع کو انکی دینی ذمہ داریوں کا احساس دلانے ہوئے کہا خدا ان سے عہدہ برآ ہونے کی طرف توجہ دلائی۔ امیر تنظیم نے دور دراز سے سفر کر کے آنے والے ساتھیوں اور بالخصوص ناظمین کو اس بات کا احساس دلایا کہ ہمارے سامنے اس طرح کے تربیتی اجتماعات میں شرکت کیلئے آنے کا مقصد پوری طرح واضح ہونا چاہیے۔ تاکہ ان اجتماعات میں پورے جذبہ، ذوق و شوق اور احساس ذمہ داری کے ساتھ شرکت کریں۔ انہوں نے شرکاء اجتماع کو حقیقت کی کہ عین روز بھر پور مشقت اٹھا کر سیکھنے کے جذبے اور ارادے سے آئیں۔ اجتماع کے دوران مختلف موضوعات پر ہونے والی تقاریر اور تعلیمی پروگراموں سے پوری طرح استفادہ کریں۔ اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں پر نظر رکھتے ہوئے انکی اصلاح کی کوشش کریں۔ دوران اجتماع نظم و ضبط، بھائیوں کے لئے ایثار اور مزیان ساتھیوں سے تعاون کا خیال رکھیں۔ یہاں سے سیکھ کر اپنے اپنے مراکز میں جا کر اسی طرح کے پروگراموں کے ذریعے مقامی ساتھیوں کی تربیت کی کوشش کریں۔ امیر تنظیم نے اس موقع پر مقامی بزرگ ساتھی مرحوم اللہ یار کلیار کا مخصوص طور پر ذکر کیا کہ انکی دلچسپی، خلوص اور ایثار کی وجہ سے آج یہ عظیم اجتماع مسلسل اس مرکز میں ہو رہا ہے۔ وہ مجاہد صفت انسان، ہمیشہ خلوص اور محبت سے ساتھیوں کا استقبال کرنے والا، راتوں کو جاگ کر ساتھیوں کے آرام اور ضروریات کا خیال رکھنے والا آج ہمارے اندر موجود نہیں۔ انکی کئی شدت کے ساتھ محسوس ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی محنت اپنے دین کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس راہ میں انکے ایثار کا بھرپور اجر و ثواب عطا فرمائے۔ آمین

امیر تنظیم کے اختتامی کلمات کے بعد راولپنڈی کے ساتھی غلیل الرحمن نے تجویز کے بنیادی اصول بیان کئے اور پھر انکی روشنی میں ساتھیوں کو سورۃ الفاتحہ اور دوسری مختصر سورتوں کی قرأت کی مشق کرائی۔

مختصر وقفے کے بعد، رفیع عیسیٰ اور مسطحہ عمر کے عنوانات پر مشتمل تحریری امتحان ہوا۔ جس میں زیادہ تر نوجوان ساتھیوں نے شرکت کی۔ اس امتحان میں کارکردگی کے لحاظ سے کمیٹین (ارارشد) نے نمبر حاصل کر کے اول پوزیشن لی جبکہ کراچی کے نوجوان ساتھی عبدالرؤف نے ۶۸ اور ساٹھڑ کے ساتھی غلام اللہ نے ۳۳ نمبر لیکر بالترتیب دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔

تحریری امتحان کے بعد واہ (راولپنڈی) کے ساتھی محمد اعظم خان نے سورۃ النحل کی آیت ”ادعوا الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنہ“ کے حوالے سے دعوت دین کے تعلق سے ضابطہ اخلاق پر تقریر کی اور قرآن و حدیث کے متعدد حوالوں سے دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور اسکے طریق کار کو واضح کیا۔

صلوٰۃ الطہر کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے عربی تعلیم کے سلسلے میں معلم عربی کے حصہ اول و دوم کے اسباق کا اعادہ کرایا۔ صلوٰۃ العصر کے بعد سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب کے زیر نگرانی باہمی تعارف کی نشست ہوئی، جس میں ساتھیوں نے باری باری اپنا تعارف پیش کیا۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد خانیوال کے ناظم ماسٹر سرفراز صاحب نے سورۃ الاعراف کی آیات ۵۵ تا ۷۳ کے حوالے سے تقریر کی اور بیان کیا کہ انسان کی پیدائش کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی جبکہ نسل انسانیت میں دعوت و تبلیغ کا آغاز نوح علیہ السلام کے دور سے ہوا۔ انہوں نے مذکورہ آیات کی روشنی میں نوح علیہ السلام کی دعوت کے حوالے سے قرآن و انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا احاطہ کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ کے سارے رسولوں نے یکساں طور پر انسانوں کے سامنے طاغوت سے اجتناب کر کے اللہ وحدہ لا شریک کی بندگی کی دعوت پیش کی۔ انہوں نے اہل حق و انفس کے دلائل پر مبنی متعدد آیات قرآنی کے حوالوں سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت وحدہ کے تصور کو واضح کیا۔

صلوٰۃ العشاء کے بعد امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے

جواب دئے۔

۱۵ اکتوبر کو صلوٰۃ الفجر کے بعد پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ التوبہ کی آیت ”ان اللہ اشدنی من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنة“ کے حوالے سے اہل حق و انفس کے موضوع پر درس قرآن دیا اور قرآن و حدیث کے متعدد حوالوں سے موضوع کی اہمیت اور اس سلسلے میں اہل ایمان کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی۔

اشراق و ناشتہ کے بعد ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے عربی تعلیم کے سلسلے میں معلم عربی حصہ دوم کے اسباق کی وضاحت کی۔

اس کے بعد فہم القرآن کے سلسلے میں سورۃ الزمر کی آیت ”انک میت و انہم میتون“ کے حوالے سے بیس منٹ کے دورانے پر مشتمل چھ تقاریر ہوئیں۔ جس میں سب نوجوان ساتھیوں نے حصہ لیا۔ چھ صاحبان کے فیصلے کے مطابق کراچی کے ساتھی عبدالرؤف نے اول، خواتین صوبہ سرحد کے زاہد حیات نے دوسری اور راولپنڈی کے طاہر محمود نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

فہم القرآن کے پروگرام کے بعد فتنہ انکار حدیث کے تعلق سے رفیع عیسیٰ کے موضوع پر پہلے کراچی کے ساتھی سعید احمد صاحب نے تقریر کی جس میں موضوع کے پس منظر اور معتضین کے دلائل کا کتاب و سنت کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے ان کے بوجھ پن کی وضاحت کی گئی۔ اس کے بعد شیخ یعقوب علی صاحب اور سعید احمد صاحب نے مشترکہ طور پر موضوع سے متعلق سامعین کے سوالوں کے جواب دئے۔

صلوٰۃ الطہر کے وقفے کے بعد کمیٹین (ارارشد) اور فیاض محمود صاحب کے زیر نگرانی دعوت الی اللہ کے سلسلے میں پندرہ منٹ دورانے کی چھ مشقی تقاریر ہوئیں۔ جن میں کارکردگی کے اعتبار سے بلوچستان کے عبدالقادر صاحب اول، کراچی کے طاہر جمیل دوم اور فیصل آباد کے رفعت سوم رہے۔ جبکہ اس دورانے میں امیر تنظیم کے

ذبح صدارت پاکستان شوری کی میٹنگ ہوئی۔

صلوٰۃ العصر کے بعد اصول حدیث کے اسباق کے اعادے کے سلسلے میں مختصر وضاحت کے ساتھ ان اسباق پر مشتمل فوٹو کلیپاں ساقیوں میں تقسیم کی گئیں تاکہ وہ اپنے طور پر انکا مطالعہ کر کے تیاری کریں۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد امیر تنظیم نے سورۃ الاحزاب کی آیت ”من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ“ کے حوالے سے تقریر کی۔ جس میں قرآن و حدیث کے حوالوں کی روشنی میں اللہ کی راہ میں صحابہ کرام کی قربانیوں پر مشتمل دونوں کو گرا دینے والے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا اور بتایا گیا کہ کس طرح ایمان کے ان بچے و عوید اربوں نے آزمائشوں کے دوران اپنے آپ کو اس قرآنی آیت کا مصداق ثابت کیا اور پھر رب کریم نے انکے اس مخلصانہ طرز عمل کی وہ پذیرائی اور قدردانی فرمائی کہ اپنی کتاب میں انکے طرز عمل کو ایک آئینہ ملی طرز عمل کے طور پر پیش کر دیا تاکہ رہتی دنیا تک اہل ایمان اس سے ترغیب و رہنمائی حاصل کرتے رہیں۔

صلوٰۃ العشاء کے بعد حسب معمول امیر تنظیم نے حاضرین کے سوالوں کے جواب دئے۔ ۱۱ اکتوبر کو صلوٰۃ الفجر کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ البقرہ کے آخری رکوع کی ابتدائی آیت ”یا اے المؤمنین امنوا بالقول اللہ ولستطرنفس ساقدمت لعدو“ پر مشتمل درس قرآن دیا۔ اور آیت مذکورہ میں تقویٰ اور آخرت کے لئے تیاری کی جو تلقین و رہنمائی کی گئی ہے اسکو کتاب و سنت کے مختلف حوالوں سے واضح کیا۔

اشراق و ناسخ کے بعد راولپنڈی کے خطیل الرحمن صاحب نے شرکاء اجتماع کو تجویز کے اصول سکھائے اور پھر ان اصولوں کی روشنی میں قرأت کی مشق کرائی۔

اس کے بعد آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد خان صاحب نے سورۃ الروم کی آیت ”ولا تلکونوا من المشرکین من الذین فرقوا

دینہم“ کے حوالے سے تقریر کی اور قرآن کی متعدد آیات کی روشنی میں تفرقہ بازی اور اس کی ہلاکت خیزی کا جائزہ لیتے ہوئے بیان کیا کہ کس طرح لوگ ایک ہی دین (اسلام) کی تعلیم پانے کے بعد جن کے بارے میں اللہ کی کتاب بیان کرتی ہے ”کلن الناس امت واحدہ“۔ انہیں کی ضد اور عناد کی وجہ سے گروہ بندیوں میں مبتلا کر گمراہی کا شکار ہوئے اور آج یہ آخری امت جس کو واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کی تعلیم دی گئی تھی۔ مختلف فرقوں اور مسئلوں میں تقسیم ہو کر وہی نقشہ پیش کر رہی ہے۔ اسکی قوت اور شوکت پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ اسکی سرفرازی ذلت و رسوائی میں تبدیل ہو چکی ہے مگر قرآن کی آیت مذکورہ کے مصداق اسکا ہر گروہ اور فرقہ اپنے جس مسئلے اور مست و مگن ہے۔ حالانکہ اللہ کی کتاب اسکو شرک سے تعبیر کر رہی ہے اور انکی اپنی حالت زار اسکی ہلاکت خیزی کا کھلا ثبوت پیش کر رہی ہے۔

بعد ازاں صوبہ سرحد کے امیر عمر خطاب صاحب نے سورۃ المؤمنین کی آیت ”ومن ورتھم برزخ الی یوم یبعثون“ کے حوالے سے عذاب برزخ کے موضوع پر تقریر کی۔ اور کتاب و سنت کے متحد حوالوں کی روشنی میں حیات فی القبر اور سماع موتی کے عقائد کی تردید کی جو دراصل شرک کی بنیاد ہیں اور اس کے ساتھ ہی عذاب قبر یا عذاب برزخ کا صحیح مفہوم واضح کیا جو قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ جبکہ آج کے مسئلے گروہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے انکار پر مبنی حیات فی القبر کے عقیدے پر یقین رکھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کی واضح اور محکم آیات دو موتوں اور دو زندگیاں کے اصولی تصور کو پیش کرتی ہیں اور مالک نے قیامت کے دن افسان کے واضح اور برملا اعتراف کو بھی سورۃ المؤمن کی آیت میں نقل کر دیا ہے جس سے اسی اصول اور ضابطے کی تصدیق ہوتی ہے۔

عمر خطاب صاحب کی تقریر کے بعد امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر یہ عین روزہ تربیتی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ امیر تنظیم نے سورۃ لقمن کی ابتدائی آیات سے گفتگو کا آغاز کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے

کھانے پینے میں بے اعتدالی نہ ہو۔ میان پر بعض سیر و تفریح کے لئے نہ آئیں بلکہ اجتماع کے اندر اپنے آپ کو حالت احتکاف میں نگھیں۔ اپنی کوتاہیوں پر شرمندہ ہوں اور اپنے رب سے معافی مانگ کر اصلاح احوال کی کوشش کریں۔ مالک ہمیں معاف فرمائے اور اپنی راہ میں توفیق احسن سے نوازے۔ آمین!

سندھ کے دوروں کی رپورٹ

پیغام حق کی اشاعت و ترویج کے لئے اٹھنے والی تحریک میں جمود نہیں بلکہ ہر وقت اس کا فعل و متحرک رہنا لازم ہے۔ دعوت دین کو سیکھنے اور آگے بچانے کے لئے سفر کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی ہے اور اصحاب رسول کی سنت بھی۔ مزید برآں یہ مومنین صالحین کی تربیت اور ان کے تزکیہ نفس کا موثر ذریعہ ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مراکز توحید میں مختلف پروگراموں کا انعقاد کیا جاتا رہتا ہے جس سے ہر علاقے سے دعوت حق کا ساتھ دینے والے شرکت کرتے ہیں۔ الحمد للہ صوبہ سندھ کے اندرونی علاقوں میں آغاز کار تو کئی سال قبل ہو چکا تھا لیکن گزشتہ دو سال سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کام زیادہ جوش و جذبہ سے کیا جا رہا ہے چنانچہ کچھ تقریباً چھ ماہ میں چھ پروگرام منعقد کئے گئے جن کی مختصر روداد ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

ضلع خیرپور و سکھر

خیرپور سیرس کی تحصیل کنگری کے ایک چھوٹے سے گاؤں کنڈو لوڈرو سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان مبارک علی صاحب کراچی کے آری آفس میں کام کرتے ہیں جنگی رہائش محمود آباد منظور کالونی میں ہے۔ اس علاقے کے ساتھیوں کی کوشش سے مبارک صاحب نے اس دعوت کو قبول کیا، اپنے عقیدہ کو درست کیا اور کفر و شرک سے آلودہ

فرمایا کہ یہ اجتماع بحسن و خوبی انجم کو پہنچا جس کے لئے ساتھی دور دراز سے سفر کر کے آئے۔ اللہ تعالیٰ شرکت کے لئے آنے والوں اور اس دوران مہمان نوازی کا حق ادا کرنے والوں کو بھرپور اجر سے نوازے۔ آمین! انہوں نے شرکاء اجتماع سے کہا کہ یہ امر باعث صد شکر و اطمینان ہے کہ ہم آپ کو دنیا کی دقتوں میں، کھیل تماشے اور دوسرے امور دلچسپی کے مقابلے میں اس دینی اہمیت کے سلسلے میں ذوق و شوق سے طویل سفر کر کے آنے کی توفیق مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس ذوق و شوق میں مزید اضافہ فرمائے اور ہمیں اس توفیق کا صحیح معنوں میں حق ادا کرنے کی ہمت عطا کرے جو اسکی مغفرت اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ بنے۔ آمین! سورۃ قلن کی یہ آیات بھی کچھ ایسے ہی لوگوں کے احوال اور ان کے درمیان تقابلی کی تصویر کشی کر رہی ہیں۔ ایک طرف اس حکمت بھری کتاب کی آیات پر غور و فکر کر کے اسکی تعلیمات پر لبیک کہنے والے اور پھر فرمانبرداری کی روش اختیار کرنے والے اور دوسری طرف دنیا کی رعنائیوں اور کھیل تماشے میں مدھوش و سرمست جو اس حکمت بھری کتاب کی آیات سن کر سنی ان سنی کر دیتے اور ان کے مقابلے میں کھیل تماشے اور دلچسپی کی چیزیں الہو للعدیث! بخش کر کے اللہ کی مخلوق کو اس کے دین سے پھیرنے والے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے انجام کو واضح فرمادیا۔ ایک کے لئے نعمت بھری جنتوں کی خوشخبری اور دوسرے کے لئے رسوا کن عذاب۔ مالک ہمیں اس بد انجامی سے بچائے اور اپنی ترجیحات کو انکی اہمیت کے مطابق طے کرنے کی توفیق بخشنے اور اس توفیق پر استقامت کے ساتھ آگے بڑھنے کی سعادت سے نوازے۔ آمین! ان اجتماعات سے چند افراد فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اب یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلے کو آگے بڑھائیں، دوسرے افراد کو تیار کریں۔ یہی مقصد ہونا چاہیے ہماری شرکت کا۔ اس اجتماع سے جانے کے بعد ہم میں ہر ایک اپنا احساب کرے کہ کمال تک مقصد پورا ہوا ہے۔ کیا کمی و کوتاہی رہ گئی۔ کمال تک نظم و ضبط کی پابندی کی۔ ہمیں ہر طرح سے اپنے اندر احساس ذمہ داری کو اجاگر کرنا چاہیے۔

مروجہ آباء وین سے برکت کی۔ اور جیسا کہ ہر مومن کی آرزو ہوا کرتی ہے کہ اس بچے کے اعزاء و اقرباء بھی اس دعوت حق کو قبول کریں جس پر اس نے بیعت کیا ہے، مبارک صاحب کی بھی یہ دلی خواہش تھی کہ انکے خاندان والے ایمان خالص اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انکی خواہش پوری کی اور انکی کوششوں سے انکے گھرانے کی پانچ نواہیں اور دو مردوں نے ایمان خالص کی دعوت کو قبول کیا۔ اب یہ لوگ صلۃ و خیر، جمعہ و غیبین کے اجتماعات اپنے گھر میں ہی کرتے ہیں اور جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے گلاں کی مسلکی عبادت گاہ کا پیشہ ور مولوی اور مروجہ دین کے مانتے والے انکے مخالف ہو گئے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں اس گلاں میں ایک پروگرام رکھا گیا۔ کراچی سے ۹ نوجوانوں کا وفد ۱۰ اکتوبر کی شب سکس ایکسپریس سے روانہ ہوا جن میں گوجرانوالہ کے دو ساتھیوں نے بھی شرکت کی۔ اگلے روز ظہر سے قبل گونڈہ کنڈہ ٹوڈر پہنچ گئے۔ گلاں کی اوطاق میں ساتھیوں کے قیام و طعام کا بندوبست کیا گیا۔ کچھ دیر بعد مقامی لوگوں نے آنا شروع کر دیا۔ ساتھی انہیں دعوت ایمان دیتے رہے۔ عصر کے بعد گلاں سے کافی دور ایک آبادی راجھوہا کے بازار میں محمود آباد کے ساتھی طارق محمود نے دعوت الی اللہ دی۔ لڑکچر بھی تقسیم کیا گیا۔ بڑی تعداد میں لوگوں نے بات سنی۔ اس کے بعد ایک دوسری جگہ ناکوٹاچی میں منورہ کے ساتھی آصف نے دعوت الی اللہ دی۔ مغرب کے بعد اوطاق میں درس قرآن دیا گیا۔ اوطاق میں ایک دستبندی بھی قائم ہے جس میں منطقی اسپتال کا ایک کمپائڈر گلاں والوں کا علاج کرتا ہے۔ لوگ کافی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ لیاقت آباد کے ساتھی منور سلطان صاحب نے آیت الکرسی پر سندھی زبان میں درس دیا اور اسکے بعد سوالوں کے جواب بھی سندھی زبان میں دے دیے۔ گلاں والوں نے توجہ سے درس سنا جسکا اندازہ سوالات کی کثرت سے ہوا۔ اگلے دن ناشقہ کے بعد منور سلطان صاحب نے ابتدائی عربی کے کچھ قواعد کی تعلیم دی۔ اسکے بعد مقامی لوگوں سے انفرادی دعوت کا سلسلہ چلا ہوا۔

جن لوگوں نے دین کو ذریعہ معاش بنایا ہوا ہے وہ لوگ ہمیشہ

سے دعوت حق کی قبولیت میں رکاوٹ بنتے رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دین کی خدمت کے نام پر دین میں کفر و شرک و بدعات کو شامل کر کے دین حق کی شکل بگاڑ دیتے ہیں لہذا جب دعوت حق اٹھتی ہے تو یہ ان لوگوں کے دشمن ہو جاتے ہیں جو صحیح دین پیش کرتے ہوئے انکی حقیقت کو بے نقاب کرنے کی سجدہ مبارک میں لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ گزشتہ رات کے درس کے بعد گلاں کی مسجد کے مولوی صاحب نے صبح کی اذان دیتے ہوئے بہت سی خرافات کے ساتھ ہمارے خلاف بھی بہت کچھ کہا۔ ہمارے مقامی ساتھیوں میں سے کسی نے جا کر انہیں اوطاق میں آکر بات سننے کی دعوت دی تو وہ آئے اور آتے ہی اس بات کی رٹ لگادی کہ ہمارے مفتی کے پاس کنگری کے مدرسے میں چلو، مشاہدہ کر لیں۔ چونکہ مناظرے بازی ہمارا مقصد نہیں اور یہ برسوں کی آزمائش ہوئی بات ہے کہ حق کے دشمن یہ مولوی مفتی کبھی دوسرے کی بات نہیں سنتے بلکہ مولویانہ مصلحتوں کے استعمال کر کے بازاری پن پر اتر آتے ہیں، بڑا بازی اور عقل خرابہ کرتے ہیں، اس لئے ہم نے ان مولوی صاحب سے کہا کہ ان مفتی صاحب کو یہاں اوطاق میں لے آئیں۔ مگر وہ ہمیں وہاں لے جانے پر بھند تھے۔ کافی رد و مکد کے بعد وہ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ عین سوال لکھ کر دے دو، وہ مفتی صاحب سے انکے جواب لے آتے ہیں۔ منور سلطان صاحب نے سندھی زبان میں وفات القبی، غیر اللہ کی نذر نیاز اور دینی امور پر اجرت سے متعلق عین سوالات آیات و احادیث کے حوالے سے مختصر اکتھ کر دے دیے۔ ظہر سے کچھ پہلے وہ مولوی صاحب ان سوالوں کے جواب لکھ کر لے آئے۔ وہ جوابات کیا تھے اس غایت کا شہکار تھے، وفات القبی کے متعلق صرف استقدر لکھ کر بات گول کر دی کہ ہم نے کب کہا کہ نبی کو موت نہیں آتی (واضح رہے کہ یہ مولویانہ چال بازی تھی ورنہ ان کے اپنے اہم کے ملفوظات کے مطابق ان کا عقیدہ ہے کہ نبی کو قانون الہی "کل نفس ذائقۃ الموت" پورا کرنے کے لئے صرف ایک لمحے کے لئے موت آتی اور پھر زندگی مل گئی اور اب وہ اپنی قبر میں ازواج

مطرات کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں... دینی امور پر اجرت کے جواز میں لکھا کہ متاخرین نے اس کو جائز قرار دیا ہے، غیر اللہ کی نذر و نیاز کے سلسلے میں لکھا کہ ”وما اهل“ کے معنی ذبح کرنے کے ہیں... مولوی صاحب یہ مبہم و مضلل جوابات دے کر اپنی دانست میں ہمیں غلط ثابت کر کے بھگت جانا چاہتے تھے اور ان غلط جوابات کی حقیقت سننے پر تیار نہ تھے اور اس بات پر مصر تھے کہ وہی بات درست ہے جو مفتی صاحب نے لکھ کر دے دی۔ ہمارے ساتھیوں نے ان کے سامنے قرآن و حدیث کے حوالوں سے دلائل اُتاریے، غیر اللہ کی نذر و نیاز اور اجرت کا مسئلہ اختصار کے ساتھ واضح کیا۔ لیکن مولوی موصوف نے ایک نہ سنی۔ ساتھیوں کو چونکہ اندازہ تھا کہ یہ شخص بعد میں گلوں میں اپنے مفتی کے جوابات کا ہی چرچا کر کے گمراہی پھیلائے گا اس لئے منور سلطان صاحب نے قرآن و حدیث کے حوالوں سے ان مسائل پر سندھی زبان میں مختصر تحریریں لکھ کر اپنے مقامی ساتھیوں کو دے دیں تاکہ وہ بوقت ضرورت دوسروں کو حقیقت حال سے آگاہ کر سکیں۔ اللہ اللہ یہ پروگرام بہت کامیاب رہا۔ مقامی ساتھیوں کی بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ انہوں نے سندھ کی روایتی مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا۔ طہر کے بعد قافلہ سکھر روانہ ہوا۔ وہاں کے ناظم ڈاکٹر شیر انصاری صاحب سے پرانے سکھر میں ملاقات کی۔ محمود آباد کے ساتھی فیروز صاحب کے کچھ عزیز واقارب نئے سکھر میں مقیم ہیں۔ وہاں ان سے بھی ملاقات کی اور انہیں دعوت حق دی۔ عشاء کے بعد اس قافلے نے سکھر چپ رہیں کے ذریعے کراچی کی طرف مراجعت کی۔

کندھ کوٹ (جینکب آباد)

ماہ اکتوبر ہی میں جینکب آباد کی تحصیل کندھ کوٹ کے علاقے گلشیر محلے کی مسجد توحید میں ایک تربیتی پروگرام ہوا جس میں کراچی اور اندرون سندھ کے علاوہ پنجاب کے قریبی شہروں کے ساتھیوں نے بھی کافی تعداد میں شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز ۱۸ اکتوبر کو بعد صلوٰۃ للہم راسٹر مشکور والہ کے ابتدائی کلمات سے ہوا۔ عبدالغفار صاحب نے توبہ کے

اصول بیان کئے۔ حروف تجنی کے مخارج بتائے اور اس بات پر زور دیا کہ قرآن کو درجہ تجنی کے ساتھ پڑھا جائے۔ عصر کے بعد سعید احمد صاحب نے عذاب برزخ پر تقریر کی۔ انہوں نے قرآن و حدیث کے دلائل سے ثابت کیا کہ عذاب قبر حق ہے لیکن وہ دنیا کی قبر میں نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے عالم میں (جسے عالم برزخ کہا جاتا ہے) کیونکہ برزخ آڑ کو کہتے ہیں جو زندوں اور مردوں کے درمیان قیامت تک حائل ہے اللہ کی دی ہوئی قبر میں ہوتا ہے۔ مغرب کے بعد حکیم رمضان صاحب کی تقریر تھی لیکن وہ کسی وجہ سے نہ آ سکے۔ انکی جگہ عبدالغفار صاحب نے تقریر کی۔ انہوں نے سورۃ الزمر اور دیگر آیات قرآنی کے حوالے سے طاغوت کی بندگی سے اجتناب پر زور دیا اور مؤثر دلائل کے ساتھ بتایا کہ طاغوت کیا ہے اور اسکی بندگی کس طرح ہوتی ہے۔ عشاء کے بعد خلیف صاحب نے سوالات کے جواب دئے۔ یہ سلسلہ رات میں دیر تک جاری رہا۔ فجر کے بعد منور سلطان صاحب نے سورہ یونس کے دوسرے رکوع پر درس دیا۔ ناسخے کے بعد عبدالغفار صاحب نے سورہ لقمن کے حوالے سے شرک کی بلاکت پر سندھی زبان میں تقریر کی۔ ان کی تقریر کافی مدلل تھی اور انہوں نے بہترین انداز میں شرک کی مذمت کو اور توحید کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اسکے بعد فہم القرآن کا پروگرام ہوا۔ موضوع سورۃ العنکبوت کی یہ آیت تھی، ”مثل الذین اتخذوا من دین اللہ اولیاء، کمثل العنکبوت“۔ اس پروگرام میں سندھ کے ساتھیوں کے ساتھ ساتھ کبیر والہ کے ایک ساتھی ظفر مسلم نے بھی شرکت کی۔ مقررین نے مؤثر انداز میں اپنے مطالعہ قرآن کو بیان کیا۔ خلیف صاحب کے اختتامی کلمات پر پروگرام ختم ہو گیا۔ محترم امیر صاحب نے اپنی تقریر میں سیرت و کردار کی تعمیر و نکھار پر زور دیا اور ایمان کے ساتھ مومنانہ حیات طیبہ کے عملی پہلو کی اہمیت کو اجاگر کیا۔

ساتھ

ضلع ساٹھوہی تحصیل شہداد پور میں مین ریلوے لائن کے ساتھ لڈھو ہائی ایک قصبہ ہے۔ یہاں ہمارے بیس بچپن ساتھی ہیں جنکی

اکثریت نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ یہاں کے ذمہ دار افراد بالخصوص پرویز اقبال صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ تربیتی و دعوتی پروگراموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء کو ایک تربیتی پروگرام اسی مسجد میں ہوا جس میں کراچی، میرپورخاص، ساٹھڑا، ڈیرہ اور کندھ کوٹ کے ساتھیوں نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز عصر کے بعد مقامی ناظم مقرر راجپوت صاحب کے اختیاری کلمات سے ہوا۔ مغرب کے بعد عبدالغفار صاحب نے سورۃ الروم کے حوالے سے فرقہ پرستی کی لعنت پر جامع اور مفہم خطاب کیا۔ عشاء کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ ضیف صاحب نے سوالات کے جواب دئے۔ اسکے بعد سندھ کے ناظمین کے ساتھ محترم امیر صاحب کی مشاورت ہوئی جس میں ہر طبقے کے دعوتی و باہمی مسائل زیر بحث آئے اور انکے حل اور دعوتی جہاد کے فروغ و تقویت کی تجویز پر غور کیا گیا۔ اگلے دن جمعہ تھا۔ فجر کے بعد میرپورخاص کے ناظم محمد اسلم راجپوت صاحب نے درس قرآن دیا۔ ناشتہ کے بعد عبدالغفار صاحب نے حروف کے خارج کی ادائیگی اور دوسرے اصول تجویہ کے مطابق قرأت کی مشق کرائی۔ اسکے بعد دعوت الی اللہ کی مشق تقاریر ہوئیں جن میں شرکاء نے بھرپور حصہ لیا۔ اس کے بعد ساٹھڑے کے ساتھی ظلام اللہ صاحب نے اصول حدیث کے حوالے سے احادیث سے متعلق اصطلاحات بیان کیں اور کچھ فہمی اصول بھی بیان کئے۔ صلوٰۃ اللہ کی تقریر اور خطبہ ضیف صاحب نے دیا جسکے بعد پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

ساٹھڑے ضلع کا دوسرا پروگرام علیہ الامنی کی چھٹیوں میں ترحیب دیا گیا۔ یہ پروگرام ساٹھڑے شہر کے چک ۴۹ میں رکھا گیا جہاں کے ناظم گل صاحب ہیں۔ گل صاحب کا تعلق ضلع کرک صوبہ سرحد سے ہے۔ پاکستان نیوی میں ملازمت کے دوران بمباری، کیمائز، کراچی میں مقیم تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد چک ۴۹ میں زرعی اراضی سنبھال کر زراعتی کر رہے ہیں۔ اس پروگرام کے لئے کراچی سے آٹھ نوجوانوں کا قافلہ ۹ اپریل ۱۹۷۹ء کی صبح روانہ ہوا۔ دوپہر میں میرپورخاص پہنچ گئے۔ صلوٰۃ

الغفر و لطام کا انتظام یہاں کے ساتھی عبداللطیف بخٹور صاحب کے گھر پر کیا گیا تھا۔ یہاں سے قافلے میں گیارہ افراد شامل ہو گئے۔ عصر کے بعد یہ لوگ ساٹھڑے کے چک ۴۹ پہنچے۔ مغرب کے بعد تعارفی نشست ہوئی۔ مقامی ساتھیوں اور باہر سے آنے والے احباب نے اپنا اپنا تعارف کرایا اور بتایا کہ کس طرح ان تک دعوت حق پہنچی اور انہوں نے کس طرح آبائی مسلکی دین چھوڑ کر دین خالص اختیار کیا۔ آج علیہ کا دوسرا دن تھا۔ لیکن اسکے باوجود مقامی ساتھیوں نے کافی تعداد میں شرکت کی اور روایتی مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا۔ عشاء کے بعد رنجھڑ لائن کراچی کے ساتھی عبدالوکیل راجپوت صاحب نے وفات انبیٰ پر ایک موثر تقریر کی اور متعلق ولاء کے ذریعے سے وفات انبیٰ کو ثابت کیا۔ اسکے بعد لیاقت آباد کے ساتھی منور سلطان صاحب نے سوالات کے جواب دئے۔ فجر کے بعد محمود آباد کے ساتھی محمد رفیع نے بیسویں پارے کی ابتدائی آیات کے حوالے سے اللہ کی وحدانیت پر تقریر کی اور جھوٹے انہوں کی بے حیثیتی بیان کی۔ ناشتہ کے بعد میرپورخاص کے ساتھی شکیل صاحب نے حروف کے خارج اور اصول تجویہ بیان کئے اور ساتھیوں سے سورۃ الفاتحہ سن کر اظہار درست کرائیں۔ اسکے بعد دعوت الی اللہ کی مشق تقاریر کا پروگرام ہوا۔ اس میں ہر ساتھی سے کچھ نہ کچھ کھلایا گیا تاکہ ساتھیوں کی جھلک ختم ہو۔ جو لوگ تقریر کرنے میں ہچکچاہے تھے ان سے یہ درخواست کی گئی کہ کھڑے ہو کر صرف ہی کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی دایمہ حلیہ نہیں۔ اس پروگرام میں میرپورخاص کے ساتھیوں نے اچھی تقاریر کیں۔ اسکے بعد مطالعہ لٹریچر کا پروگرام تھا۔ منور سلطان صاحب نے کتابچہ وفات انبیٰ میں سے کچھ حصہ پڑھوایا اور اجماع صحابہ کی حدیث کے ہر لفظ کی قواعدی ترکیب اور معنی و تشریح بتائی۔ آج جمعہ تھا۔ ساتھیوں کو صلوٰۃ اللہ کے لئے وقفہ دیا گیا۔ منور سلطان صاحب نے جمعہ کا خطبہ دیا۔ صلوٰۃ العصر کے بعد ان ہی کے اختیاری کلمات پر یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔

میرپور خاص

طلبہ نظم کے تحت اس سال ۱۹ مارچ کو میرپور خاص میں ایک تربیتی پروگرام ترتیب دیا گیا۔ اس پروگرام میں کراچی، ساٹھلہ اور لنڈھو سے ساتھیوں نے شرکت کی۔ مقامی ساتھی بھی کافی تعداد میں تھے۔ پروگرام نئی رہائشی اسکیم کے علاقے میں عبداللطیف پنھور صاحب کے گھر منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز فجر کے بعد محمود آباد کے ساتھی عبدالرؤف صاحب کے درس قرآن سے ہوا۔ انہوں نے اپنے درس میں اسوۃ ابراہیمی پر روشنی ڈالی اور سورۃ الانبیاء وغیرہ کے حوالے سے انکی خالص توحید اور یکسوئی کا خلاصہ اور شرک سے بیزاری کا نقشہ پیش کیا۔ ناشتہ کے بعد رفاہ عام سوسائٹی کے ساتھی خالد عزیز نے اصول تجوید و قرأت بیان کئے۔ اسکے بعد دعوت الی اللہ کی مشقی تقاریر کی گئیں جن میں مقررین نے بھرپور طریقے سے شرک و کفر کا رد کیا۔ مذہبی پیشہ وران کی پھیلائی جانے والی خرافات کا سد کرہ کیا اور انکی مذموم حرکات کا منہ پیرائے میں آپریشن کیا۔ انکی تقاریر قرآن وحدیث کے حوالوں سے مزین تھیں۔ اسکے بعد منور سلطان صاحب نے عربی کی تعلیم دیتے ہوئے اسم، اسکی اقسام، مفرد مرکب، اس کی اقسام کو مثالوں کے ساتھ بورڈ پر لکھ کر دکھایا۔ اسکے بعد مطالعہ الشریعہ کا پروگرام تھا۔ اس میں منور سلطان صاحب نے کتابچہ وفات النبی کی دو حدیثیں لفظاً ومعناً پڑھائیں۔ اسکے بعد محمود آباد کے ناظم صابر علی صاحب نے مصطلحات حدیث بیان کیں۔ انہوں نے بورڈ پر مثالیں لکھ کر پروگرام کو دلچسپ بنایا۔ صلوٰۃ الظہر کے بعد ساٹھلہ کے ساتھی غلام اللہ صاحب نے عذاب برزخ پر ایک جامع تقریر کی اور قرآنی حوالوں سے دو موتوں، دو زندگیاں اور قبر کے مردے کو بے روح ثابت کیا۔ انہوں نے مختلف فرقوں کے شریعہ کے حوالے دیکر بتایا کہ آج ہر فرقے کے عقیدے میں قبر میں زندگی کے بارے میں فساد پایا جاتا ہے۔ انکی تقریر کے ساتھ ہی یہ تربیتی نشست اختتام پذیر ہوئی۔

ضلع بدین

۱۹ مارچ ہی کے صبح میں طلبہ نظم کے تحت بدین کے محلے غریب

آباد کی مسجد توحید میں ایک تربیتی پروگرام ہوا۔ یہ نوجوانوں کا کل سندھ سطح کا سالانہ اجتماع تھا۔ اس میں کراچی کے ۳۰ ساتھیوں کے علاوہ لنڈھو، میرپور خاص، کدھ کوٹ، ساٹھلہ اور شکارپور کے ساتھیوں نے بھی شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز ۲۲ مارچ ۱۹۹۹ء کو بعد صلوٰۃ الظہر ہوا۔ افتتاحی کلمات ساٹھلہ کے غلام اللہ صاحب نے کئے۔ اسکے بعد تحریری امتحان ہوا۔ کتابچہ تعویذات اور شرک سے تحریری امتحان لیا گیا جس میں کافی تعداد میں نوجوانوں نے حصہ لیا۔ صلوٰۃ العصر کے بعد بدین کے بازار میں منور سلطان صاحب، عبدالرؤف صاحب اور طارق محمود صاحب نے تین مقامات پر دعوت الی اللہ دی اور کھل کر شرک کی بد انجالی سے ڈرایا اور توحید خالص کے انعامات بیان کئے۔ بڑی تعداد میں لوگوں نے دعوت کو سنا۔ شریعہ بھی تقسیم کیا گیا۔ مغرب کے بعد تعارفی نشست رکھی گئی جس میں ہر ساتھی نے اپنے ضروری کوائف بتائے اور اپنے یکسو ہونے کا پس منظر بیان کیا۔ عشاء کے بعد برزخ کے حوالے سے سورۃ المؤمنون کے آخری رکوع کی ابتدائی آیات پر منور سلطان صاحب نے تقریر کی اور سوالوں کے جواب بھی دئے۔ یہ سلسلہ رات دیر تک چلتا رہا۔ اگلے روز فجر کے بعد عبدالرؤف صاحب نے درس قرآن دیا۔ انہوں نے سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کے حوالے سے مومنوں کے اوصاف بیان کئے اور دیگر آیات کے حوالے سے بتایا کہ صرف ایمان کا اقرار ہی کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ اپنے عمل سے اس کا ثبوت بھی دینا ضروری ہے اور اپنے اندر وہ مومنانہ صفات پیدا کرنا بھی لازم ہے جو اللہ کو محبوب ومطلوب ہیں اور جن سے وہ راضی ہوتا ہے۔ ناشتہ کے بعد خالد عزیز صاحب نے تجوید کے اصول بیان کئے۔ اپنی اہمیت کے پیش نظر یہ پروگرام ہماری ہر تربیتی نشست کا حصہ ہوتا ہے۔ اسکے بعد قلیل وقت میں منور سلطان صاحب نے عربی کی تعلیم دیتے ہوئے مرکب توصیفی و مرکب اضافی وغیرہ کی مشق کرائی۔ اسکے بعد خالد عزیز صاحب نے اختتامی کلمات کئے اور شرکاء اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

امریکہ میں توحید کانفرنس کے نام

سے ہونے والے ابتدائی اجتماعات

(ترتیب :- محسن خالد و ارشد ظفر)

الحکم اللہ واحد کی دعوت سے غسک جو ساتھی کچھ عرصے سے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مقیم ہیں، انہیں باہم مربوط اور سرگرم عمل رکھنے کی ضرورت برابر محسوس کی جاتی رہی۔ چنانچہ مرکز سے رابطہ رکھنے والے بعض ذمہ دار ساتھیوں کو اسکی تلقین کی جاتی رہی۔ الحمد للہ کہ ایمان کی حرارت اور تحریک سے مخلصانہ وابستگی نے ان ساتھیوں کو محرک رکھا اور انہوں نے باہمی روابط کے ذریعے اس سلسلے میں مناسب پیش رفت کر کے بھرپور احساس ذمہ داری کا ثبوت دیا اور اس طرح پُر و گراموں کا آغاز کروایا ہے۔ یہ ساتھی نوجوان، تعلیم یافتہ اور ماشاء اللہ باصلاحیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی صلاحیتوں اور احساس ذمہ داری میں اضافہ فرمائے اور استقامت کے ساتھ ایک نئے ماحول کے اندر دھنکی ذمہ داریوں سے عمدہ برآ ہونے کی توفیق احسن سے نوازے۔ آمین (ادارہ)

سرزمین امریکہ میں توحید کانفرنس کے نام سے پہلا اجتماع یہاں کی ریاست ٹینیسی (Tennessee) کے شہر ناکسول (Knoxville) میں ۱۶-۲۸ دسمبر ۱۹۹۷ء میں منعقد ہوا۔ ریاست ٹینیسی چونکہ امریکہ کے وسط میں واقع ہے، اس لئے ساتھیوں کی سہولت کے پیش نظر اسکا انتخاب کیا گیا اور اس مقصد کے لئے ناکسول انرپورٹ کے قریب کوانٹی ان (Quality Inn) ہوٹل میں پانچ کمروں اور ایک کانفرنس روم کی بکنگ کرائی گئی۔ اجتماع میں شرکت کے لئے ساتھی ۲۷ دسمبر کی رات ہی سے پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ نام ۲۷ دسمبر کو صلوٰۃ الطہرہ سے قبل سب ساتھی اجتماع کے مقام پر کھینچ گئے تھے۔ چنانچہ صلوٰۃ الطہرہ مقامی وقت کے مطابق پونے دو بجے ہوٹل کے ایک کمرے میں ادا کی گئی جو بعد ازاں دوران اجتماع صلوٰۃ کی ادا کی گئی کیلئے مخصوص رہا۔ صلوٰۃ الطہرہ کے بعد کھانے کا وقت ہوا۔ کھانے کے لئے ساتھیوں نے خود ہی نہایت عمدہ انتظام کیا تھا۔ وہ اپنے

اپنے گھروں سے مختلف قسم کے کھانے تیار کر کے لائے تھے جنکو موٹل کے ریفرنڈری میں رکھ دیا گیا تھا اور اجتماع کے دوران انکو استعمال کیا جاتا رہا۔

امریکہ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا اجتماع تھا جس میں کل تیرہ ساتھیوں نے شرکت کی۔ یہ ساتھی ریاست ٹینیسی کے علاوہ نیو یارک، واشنگٹن ڈی سی، مشی گن، شکاگو، انڈیانا، میساچی (فلوریڈا) اور کینیڈا سے تشریف لائے تھے۔ اجتماع کا باقاعدہ آغاز قدرے تاخیر سے صلوٰۃ العصر کے بعد ارشد ظفر صاحب کے ابتدائی کلمات سے ہوا۔ انہوں نے اجتماع کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے ساتھیوں کو خوش آمدید کہا۔ اسکے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی۔ اجتماع کا باقی پروگرام درج ذیل ترتیب سے چلا

پہلی نشست

عنوان: "تاریخ دعوت - انبیاء علیہم السلام کا اسوہ"
اس عنوان کے تحت ڈاکٹر عبد النعم صاحب نے مختلف انبیاء علیہم السلام کے دعوتی ادوار کا تاریخی تسلسل میں جائزہ لیا اور کتاب و سنت کے حوالوں سے انبیاء کی دعوت اور انکے اسوہ پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر موصوف کی تقریر کے بعد سوال و جواب کی طویل نشست ہوئی جسکے اختتام پر صلوٰۃ العشاء ادا کی گئی اور مزید پروگرام کو اگلے دن پر موخر کر دیا گیا۔

۲۸ دسمبر کو صلوٰۃ الفجر کے بعد تحسین خالد صاحب نے سورۃ الروم کے چوتھے رکوع کی چند آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا جس کے بعد ریاض الصالحین سے چند منتخب احادیث کا مطالعہ کیا گیا۔

دوسری نشست

عنوان: "تاریخ دعوت - نبی علیہ السلام کا اسوہ"
اس نشست کے مقرر مصباح الدین صاحب تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے دونوں ادوار یعنی مکی اور مدنی دور (جس میں اہل کتاب بھی شامل تھے) پر اظہار خیال کیا۔ اس حوالے سے

انہوں نے مجموعی طور پر دعوت کے مخاطبین اور انکو دی جانے والی دعوت، دعوتی دور میں نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام کو پیش آنے والی مشکلات اور ان پر صبر و استقامت کے سلسلے میں انکے طرز عمل، ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ آخر میں موضوع سے متعلق مختصر سوال و جواب بھی ہوئے۔

تیسری نشست

عنوان، ”امریکہ میں دین کے نام پر جاری مختلف تحریکوں کا جائزہ“
اس عنوان کے تحت بھی مقرر کے فرائض مصباح الدین صاحب نے ہی انجام دئے اور امریکہ میں سرگرم عمل مختلف تحریکوں کا انکے عقائد کی روشنی میں جائزہ لیا۔ مصباح الدین صاحب نے اوجو بنیادی طور پر الیکٹرانکس انجینئرز اور فی الحال کمپیوٹر سائنس میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے آخری مراحل میں ہیں اپنی دونوں تقاریر کے دوران متعلقہ موضوعات کے اہم اور جدید نکات کو واضح کرنے کے لئے بورڈ اور اوور ہیڈ پروجیکشن (Overhead Projection) کا استعمال بھی کیا۔ اس مقصد کے لئے وہ ان نکات پر مشتمل سلائیڈز تیار کر کے لائے تھے۔

چوتھی نشست

اس نشست کے دوران ڈاکٹر عبداللہ صاحب نے ”دعوت الی الخیر۔ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں“ کے عنوان پر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں دعوتی ذمہ داریوں کے تعلق سے اظہار خیال کیا۔

پانچویں نشست

عنوان، ”امریکہ میں دعوتی کام اور اسکا طریقہ کار“
اس نشست کی نگرانی کے فرائض تحسین خالد صاحب نے انجام دئے۔ یہ دراصل ایک طرح کی مشاورتی نشست تھی جس میں شرکاء اجتماع کو اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں امریکہ کے اندر دعوتی کام کے آغاز اور اسکو منظم کرنے کے سلسلے میں مشورے اور تجویز دینا تھیں تاکہ آئندہ لائحہ عمل طے کرتے وقت ممکنہ حد تک انکو بھی پیش نظر رکھا

جائے۔ اس نشست کے دوران اس حوالے سے سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ چنانچہ مختلف مشوروں اور تجویزوں میں امریکہ جیسے معاشروں کے اندر دعوتی کام کو سائنسی بنیادوں پر جدید ٹیکنالوجی کو استعمال کرتے ہوئے منظم کرنے پر زور دیا گیا۔

امریکہ میں پہلے اجتماع کے پروگرام کی اس آخری نشست کے بعد کھانے اور صلوٰۃ اللہ کا وقفہ ہوا۔ صلوٰۃ اللہ کے بعد ارشد غفر صاحب نے اختتامی کلمات میں شرکاء اجتماع کو پاکستان میں دعوتی سرگرمیوں سے آگاہ کیا اور سورہ آل عمران کے آخری رکوع کے حوالے سے دعوت الی اللہ کی اہمیت اور اس سلسلے میں ان کی ذمہ داریوں کو واضح کیا۔

اس اجتماع کے آخر میں باہمی مشاورت سے درج ذیل امور طے پائے۔

۱۔ یہ پروگرام سال میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور کیا جائے۔ اور دسمبر میں پیش آنیوالی بعض دشواریوں کے باعث اسکو آگست میں رکھا جائے۔ اس طرح آئندہ اجتماع کا مقام واضح و شگفتہ بن جائے گا۔

۲۔ مقامی بیت المال کا قیام عمل میں آیا جسکا نگران سیبی (ظہور بڈا) کے ساتھی عاطف ذرین صاحب کو نامزد کیا گیا۔ اس اتفاق کے ساتھ کہ تمام ساتھی ہر ماہ کچھ نہ کچھ مالی اعانت جمع کرائیں گے۔

۳۔ امریکہ میں دعوتی کام کے لئے لٹریچر کے ساتھ کمپیوٹر کا استعمال بھی کیا جائیگا۔ اس سلسلے میں یہ بھی طے کیا گیا کہ ایک ہوم پیج (Home Page) بنایا جائے جس میں تنظیم کی تمام کتابوں کے دستیاب انگریزی تراجم کو انٹرنیٹ کے ذریعے فیڈ کر دیا جائے جو کہ دنیا بھر میں کہیں بھی پڑھے جاسکیں۔ اس کے علاوہ کمپیوٹر سے لوگوں کے ایڈریس حاصل کر کے ان کو ”فلاح کا راستہ“ کتابچے کا انگریزی ترجمہ بھی بھیجا جائیگا۔ جو کہ کئی ہزار کی تعداد میں ہوگا۔ اس ترجمہ پر تنظیم کا ہوم پیج ایڈریس (Home Page Address) بھی ہوگا۔ خواہشمند افراد مزید کتابیں ہوم پیج (Home Page) پر پڑھ سکیں گے۔ اس طرح امریکہ میں اپنی نوعیت کا

یہ پہلا اجتماع صلوٰۃ المغرب سے قبل اختتام پذیر ہوا۔

دوسرا اجتماع

اسی کہ میں توحید کانفرنس کے نام سے دوسرا اجتماع ۱۵-۱۶ اگست ۱۹۹۹ء میں یہاں کی ریاست میری لینڈ (Mariland) کے شہر بالٹی مور (Baltimore) میں منعقد ہوا۔ یہ شہر امریکہ کے دار الحکومت واشنگٹن ڈی سی سے تقریباً چالیس پچاس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مقام اجتماع اس واقعہ ریڈ روف موٹل (Red Roof Motel) تھا، جہاں ساتھیوں کے رہنے کے لئے کمرے اور ایک کانفرنس روم حاصل کر لئے گئے تھے۔ صلوٰۃ الفجر حسب سابق اسد فقہ بھی اجتماع گاہ میں ہی ادا کی گئی، جسکے بعد پہلے عمرات اور پھر اجتماع کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اب کے پہلے روز نو افراد شریک اجتماع تھے، جبکہ دوسرے روز یہ تعداد بارہ افراد پر مشتمل تھی، جن میں کچھ نئے افراد بھی شامل تھے۔ پروگرام کے مطابق پہلی تقریر میاں (ظہور پڑا) کے ساتھی حافظ زرین صاحب نے کرنا تھی جو موجود اجتماع میں شرکت کے لئے نہ آ سکے۔ اس نے انکی جگہ یہ تقریر ریاست انڈیانا کے ساتھی تحسین خالد صاحب نے کی۔ تقریر کا عنوان سورۃ النحل کی ۳۶ دین آیت ولقد بعثنا فی کل امة رسولاً لہ اعبدوا اللہ واجتنبوا الطغوت تھا۔ انہوں نے قرآن کی اس آیت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اور انکی دعوت کا مختصر جائزہ پیش کیا اور بتایا کہ اللہ کی بندگی اور طاغوت سے اجتناب کی دعوت نوح علیہ السلام سے لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کی مشترک سنت ہے۔

پروگرام کے مطابق دوسری تقریر تحسین خالد صاحب ہی کی تھی جسکا عنوان سورۃ الروم کی آیات ۳۱ اور ۳۲ تھیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن کی ان آیات کے حوالے سے ۴ امت مسلمہ میں پائی جانے والی عقائد کی خرابی اور تفرقہ بازی کا جائزہ پیش کرتے ہوئے اسکا انکی موجودہ ذیلیں جلی کی اصل وجہ قرار دیا اور اس سلسلے میں قرآن و حدیث کے

حوالوں سے دلائل دیتے ہوئے بتایا کہ اس ہنگام کا علاج اور موجودہ بحیثی سے نکلنے کا طریقہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس کفر و شرک اور بھلاوت و سرکشی سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اور قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ یکے بعد دیگرے ہونے والی ان دو تقاریر کے اختتام پر مختصر سوال و جواب کے بعد صلوٰۃ العصر کے لئے وقفہ ہوا۔

صلوٰۃ العصر کے بعد دو تقاریر ہوئیں۔ پہلی تقریر میاں کے ساتھی فہیم صاحب نے سورۃ النحل کی آیات ۲۰ اور ۲۱ کے حوالے سے قبر پرستی کے شرک پر کی۔ اور قرآن و حدیث کے مختلف حوالوں کی روشنی میں بیان کیا کہ حیات فی القبر اور سماح موتی کا عقیدہ قبر پرستی کے شرک کی بنیاد ہے جو کہ قرآن و حدیث کے انکار کے مترادف ہے۔ دوسری تقریر میاں عی کے ساتھی ارشد علفر صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۸ کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتاً فلحیاءکم ثم یبعیکم ثم یبعیکم ثم الیہ ترجعون کے عنوان کے تحت کی، جس میں انہوں نے قرآن کی اس آیت کی حمایت میں کتب و سنت کے مختلف حوالوں سے بیان کیا کہ مرنے کے بعد قبر کا عذاب و ثواب اس دنیوی قبر میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں ہوتا ہے اور بتایا کہ دنیوی قبر میں عذاب و ثواب کے پیچھے دنی حیات فی القبر کا تصور کارفرما ہے جس کے مطابق مرنے کے بعد دنیوی قبر میں اسی جسم کے اندر روح ٹوٹتی جاتی ہے، جسکی بنیاد اس امت میں سب سے پہلے احمد بن حنبل نے رکھی اور جو قرآن و صحیح احادیث کا انکار ہے۔

ان تقاریر کے بعد صلوٰۃ المغرب کے لئے وقفہ ہوا۔ پھر کچھ وقت کے لئے سوال و جواب اور باہمی تبادلہ خیال کا سلسلہ جاری رہا جسکے بعد عشاء ہوا اور پھر صلوٰۃ العشاء کی ادائیگی کے ساتھ پہلے دن کا پروگرام اختتام کو پہنچا۔

دوسرے دن یعنی ۱۶ اگست بروز ہفتہ صلوٰۃ الفجر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ کی مشق گن اس کے ساتھی مصباح الدین صاحب نے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۰ یعنی آید جن کی روشنی میں درس قرآن و حدیث دیا۔ اور انکی کے حقیقی

تصور کو قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق واضح کیا۔

ناشیے کے وقفے کے بعد تقریباً آٹھ بجے صبح دوسرے روز کی پہلی نشست ہوئی، جس کا عنوان سورۃ النساء کی آیات ۱۵۵ تا ۱۵۹ تھیں۔ مقرر کے فرائض تحسین خاں صاحب نے انجام دیے۔ انہوں نے مذکورہ آیات اور قرآن وحدیث کے مختلف حوالوں سے رفیع بھیجی علیہ السلام کے مسئلہ کی وضاحت کی اور کتاب وسنت کے اس متفق علیہ مسئلے کے خلاف منکرین حدیث کے شکوک و شبہات اور بے دلیل اعتراضات کا رد کیا۔ تحسین خاں صاحب کی تقریر کے بعد اس موضوع کے متعلق سوال وجواب بھی ہوئے۔ مختصر وقفے کے بعد اگلی نشست ہوئی، جس میں ریاست میری لینڈ کے ساتھی ڈاکٹر ہارون الرشید نے ہمارا ایمان اور دنیا کے جدید کا مطلع نظر (Our Imman and the Modern World)

(View) کے عنوان کے تحت انگریزی میں خطاب کیا، جس میں انہوں نے پہلے ایمان اور اسلام کا فرق بتایا، پھر طاغوت کی نشاندہی کرتے ہوئے شرک کی مختلف اقسام بیان کیں۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ دور میں دنیا نے بہت ترقی کی ہے، لوگ مادی طور پر خوشحال اور آسودہ ہیں مگر مذہبی طور پر گوگو کا شکار ہیں، مختلف مذہبی مکاتب فکر (Schools of Thought) وجود میں آگئے ہیں جن کے اسکالر ز کی تحریریں لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں اور انکی وجہ سے عام آدمی بے اطمینانی کا شکار ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس روش سے ہٹ کر کتاب وسنت والے دین اسلام کی طرف رجوع کیا جائے جو امن وسلامتی کا دین ہے اور جس پر عمل پیرا ہونے سے سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ہارون الرشید صاحب کے خطاب کے بعد سوال وجواب کا مختصر سیشن رہا۔ اور پھر مصباح الدین صاحب نے سورۃ العصر کے حوالے سے دوسرے دن کی آخری تقریر کی، اور بیان کیا کہ انسان کے خسارے سے بچنے کے لئے چار شرائط ہیں: ایمان، عمل صالح، تواضعی باطن اور تواضعی باہر۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پورے قرآن کی تعلیمات

کے نچوڑ کے طور پر ایک قاعدہ کلیہ بطور یاد دہانی کے اس مختصر سورۃ میں انسانوں کی رہنمائی کے لئے بیان کر دیا ہے تاکہ وہ آسانی سے اسکو یاد رکھ کر اس سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں۔ مصباح الدین صاحب کی تقریر سے متصل باہمی تبادلہ خیال کے بعد کھانے اور صلوٰۃ الظہر کے لئے وقفہ ہوا۔ اور پھر ارشد ظفر صاحب کے اختتامی کلمات پر یہ دو روزہ اجتماع اپنے اختتام کو پہنچا۔ ارشد ظفر صاحب نے شرکاء اجتماع کو ایسے پروگراموں کے تعلق سے انکی ذمہ داریوں کا احساس دلایا کہ اس حوالے سے ہمیں اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں پر نگاہ رکھنی چاہیے تاکہ اصلاح احوال کی صورت پیدا ہو۔ ایسے اجتماعات سے صحیح معنوں میں استفادہ کیا جائے اور باہمی روابط کا سلسلہ بڑھے۔

اس اجتماع کے دوران باہمی مشورے سے درج ذیل امور طے پائے۔

- ۱۔ آئندہ اجتماع انشاء اللہ اگست ۱۹۹۸ء میں میامی (امریکہ) میں ہوگا۔
- ۲۔ گزشتہ اجتماع کے طے شدہ امور کا اعادہ کرتے ہوئے طے پایا کہ لٹریچر کی چھپائی باہمی مشاورت سے ہوگی اور ہیئت المال کے معاملے کو بہتر انداز میں چلایا جائے گا۔

۳۔ حاصل شدہ فنڈز کو لٹریچر کے ٹرانسلیشن اور اسکی چھپائی پر خرچ کیا جائے گا، اور انکا ایک حصہ مرکز کو بھی بھیجا جائیگا۔

۴۔ ڈاکٹر ہارون الرشید صاحب نے امریکہ میں بچوں کا ایک اسکول کھولنے کی تجویز دی جس پر غفور و فکر اور مزید تجاویز کے لئے مرکز سے رجوع کیا جائے گا۔

ڈاکٹر ہارون الرشید صاحب کے والد صاحب نے اس پروگرام میں خصوصی دلچسپی لی اور پروگرام کے بیشتر حصے میں وہ موجود رہے۔

بقیہ: دیندار یا دکامند ارے

الگ ہو جانے کی توفیق عطا فرماتے قبل اس کے نہیں ڈوبنے لگیں، غیب شہود ہو جانے اور پھر باطل موقف پر جے رہنے کا فیاضہ بھگتنا ناگزیر ہو جائے۔ آمین (جاری ہے).....

سلسلہ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمہ اللہ ترتیب: سعید احمد و مشتاق احمد

سوال: سنے اور آپ نے اس دن روزہ رکھا ہے۔ مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ جو عاشورہ کا روزہ رکھے گا انشاء اللہ تعالیٰ اس کے آئندہ سال کے گناہ معاف کر دے گا۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص یہ روزہ رکھنا چاہے رکھے اور جو نہ رکھے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے یعنی اس معاملہ میں کوئی سختی نہیں ہے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن روزہ رکھتے تھے۔ وفات کے آخری سال آپ نے فرمایا کہ لَنْ بَقِيتَ اِلَى قَابِلٍ لَّا صَوْمَ مِنَ النَّاسِ یعنی اگر آئندہ سال تک زندہ رہا تو ضرور پانچ روزہ ۵ محرم کا روزہ رکھوں گا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کی شرح میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے کہا کہ ۵ محرم کا روزہ آپ نے زائد رکھا یعنی ۱۰ محرم دونوں دنوں کے روزے رکھنے کا عہد یہ دیا تاکہ یہودیوں کی مشابہت نہ ہو اور ان کے خلاف کیا جائے یہودیوں کا جو رعب دینے کی قریب کی آبادی اور دنیا میں چھایا ہوا ہے وہ باقی نہ رہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ عاشورہ کے روزے میں ایک طرح کی تہنیتی لادیں گا، یعنی ۱۰ محرم کی بجائے ۵ محرم کا روزہ رکھوں گا۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اگر آئندہ سال تک زندہ رہا تو۔ مگر آپ کو صلت نہ ملی اور آپ ایسا نہ کر پائے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ ۵ کی بجائے ۱۰ محرم عاشورہ کے روزے پر قناعت کی جائے جیسا کہ پہلے ہوتا آیا ہے۔

سوال: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کسے پر ہوا اور ان کے گواہ کون تھے؟

جواب: آپ کا پہلا نکاح جو عمر بچہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوا ان کے بارے میں تاریخ میں آتا ہے کہ اس زمانے کے رواج کے مطابق ابو طالب نے وہ نکاح پڑھایا تھا۔ لیکن احادیث میں یہ معاملہ واضح نہیں

سوال: امام صلواتہ علیہ وسلم کے دوران اگر سوا پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور مقتدی قہر دے تو امام کیا کرے؟ پانچویں رکعت پوری کرے یا چوتھی رکعت کے قصد میں بیٹھ جائے؟

جواب: اختلاف کے نزدیک پانچویں رکعت جائز نہیں ہے۔ مگر حدیث میں اس کے خلاف آیا ہے۔ امام بخاری اس کے دو حدیث لائے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھولے سے پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے تو آپ نے بیٹھنے کی بجائے پانچویں رکعت پوری کی اور اس کے بعد سجدہ سو کیا۔ اس لئے امام کو بیٹھنے کی بجائے پانچویں رکعت پوری کر کے سجدہ سو کرنا چاہیے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس پر عمل ہونا چاہیے۔

سوال: نو اور دس محرم کے روزوں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: بخاری روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو آپ نے یہاں یہودیوں کو دیکھا کہ ۱۰ محرم عاشورہ کے دن روزہ رکھ رہے ہیں۔ آپ نے یہودیوں اور ان کے حاکموں سے اس روزہ کے متعلق پوچھا کہ اسکی کیا وجہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس دن یعنی اس تاریخ کو پروردگار عالم نے موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انکی قوم کو فرعونوں سے نجات دی، ہم اس کے شکرانے کے طور پر یہ روزہ رکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اس بات کو زیادہ حقدار ہیں کہ اللہ کا شکر ادا کریں اور ہم پر یہ زیادہ زبرد چاہیے۔ اس وقت تک روزے فرض نہیں ہوئے تھے۔ اس زمانہ میں جو عاشورہ آیا ہے تو آپ نے لوگوں سے اس روزے کے رکھنے کو کہا ہے۔ صحابہ کرام

ہے۔ باقی اسکے بعد اللہ کے نبیؐ کے جو نکاح ہوئے اس میں نہ کسی نے نکاح پڑھائے ہیں اور نہ ایجاب و قبول کرایا۔ یہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا معاملہ ہے۔ خیر کی فتح کے بعد جب صفیہ رضی اللہ عنہا قید ہو کر آئیں ہیں تو صحابہ کرامؓ نے کہا اب دیکھنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انکو ملک یمن، لونڈی بناتے ہیں یا بیوی۔ اگر آپ پر وہ کراتے ہیں تو کچھ لیجئے کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اور اگر پر وہ نہیں کراتے تو لونڈی ہیں۔ اور آخر میں جب آپ نے انکو پر وہ کرایا تو حب صحابہ کرامؓ جان گئے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے لونڈی نہیں بنایا بلکہ وہ آپ کی بیوی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کا نہ پڑھایا جانا اور ایجاب و قبول کا نہ کرانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ عائشہ اور سوہہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ آپ کے نکاح جو کئے میں ہوئے اور اسکے بعد جو آپ کے نکاح ہوئے ہیں اس میں بھی اسکا کوئی ذکر نہیں ہے۔

سوال۔ عام طور پر غلام رسول اور غلام مصطفیٰ نام رکھے جاتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیے کہ یہ صحیح ہے یا خطا؟

جواب۔ غلام رسول اور غلام مصطفیٰ نام رکھنا بالکل غلط ہے۔ کوئی بندہ اور غلام ہو سکتا ہے تو صرف اللہ کا، کسی اور کا نہیں اور اگر اس کے معنی صرف نوکر کے لئے جائیں حب بھی صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”لَا تَقُولُوا لِنَا وَالنَّاسُ قُلُوبُنَا“ یعنی ”ہمنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا نہ کہا کرو۔ ایسی بات جو معنی کے لحاظ سے صحیح ہو اور باطل اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو ایسی بات اختیار کرو جس سے وہ ظالم فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اسی لئے اگر کوئی اس خیال سے کہ وہ غلام کے معنی بندہ کے نہیں لیتا جو کہ شرک ہے تو حب بھی یہ مشکوک چیز ہے، اسکو چھوڑ دینا چاہئے۔ غلام رسول کی جگہ غلام اللہ اور غلام مصطفیٰ کی جگہ غلام الرحمن ہو جائے تو اس میں کیا ہو جائے گا اور کیا چلا جائے گا۔ ایسا اس لئے نہیں کیا جاتا کہ انکے نزدیک ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

سوال۔ ہمارے بزرگ کچھ اس طرح ذکر الہی کرتے ہیں کہ سب مل کر صرف اللہ اللہ کہتے جاتے ہیں۔ اسکے متعلق فرمائیے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب۔ اللہ کا ذکر تو ہر وقت ہے اور ذکر کے معنی یہی ہیں کہ اللہ کو ہمیشہ یاد رکھا جائے۔ سب سے بڑا ذکر نماز میں قرآن کا پڑھنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا ذکر نہیں بتایا جو مفرد کلمہ ہو بلکہ آپ نے سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ وغیرہ ذکر بتائے ہیں، ان میں کوئی اکیلا کلمہ نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کے خلاف دین بنانے والے بے ایمانوں نے صرف اللہ اللہ کا ذکر بتایا ہے۔ انہی بے ایمانوں نے اللہ اور اسکے رسولؐ کے مقابلے میں یہ نیا دین بھی بنایا ہے کہ ہر ایک اللہ کی ذات کا ٹکڑا ہے۔ صرف اللہ اللہ یا کوئی بھی مفرد کلمہ ذکر کے طور پر اللہ کے نبیؐ سے ثابت نہیں ہے۔ اسکے جواب میں کہتے ہیں کہ مسلم کی ایک حدیث آگئی ہے کہ اس وقت قیامت آئیگی جب اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ تو اس معنوں میں آیا ہے کہ اس وقت کوئی مسلم مومن نہ ہوگا۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ قیامت مومنوں پر برپا نہیں ہوگی، قیامت سے پہلے سب مومن مرجائیں گے۔ مسلم کی ایک اور روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جب لا الہ الا اللہ کہنے والا کوئی نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اللہ اللہ کہنے والے سے مراد یہ ہے کہ اس وقت کوئی موجد نہ ہوگا سب کافر ہو گئے۔

سوال۔ جمعہ کا خطبہ کیا اردو میں پڑھنا جائز ہے؟

جواب۔ جمعہ کا خطبہ اردو میں پڑھنے کی دلیل مجھے معلوم نہیں۔ سنت نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کی سنت عربی میں پڑھنے کی ہے۔ مالک فرماتا ہے ”يا ايها الذين آمنوا اذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسمعوا لى ذكر الله“ (اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ جاؤ۔) جمعہ کا یہ خطبہ اللہ کا ذکر ہے اور ذکر غیر عربی زبان میں نہیں ہو سکتا۔ جیسے نماز میں یا نماز کے علاوہ قرآن کا پڑھنا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جمعہ کی اذان کے بعد عربی میں خطبہ دیتے اور یہی صحابہ کرامؓ کا قاعدہ تھا۔ صحابہ کرامؓ نے بڑے بڑے مالک فتح کہتے ہیں جن کی زبان عربی نہیں تھی۔ مگر کسی ایک جگہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہاں کی زبان میں یہ خطبہ مسنونہ دیا گیا جو کہ ذکر ہے۔ وہاں

مسنون خطبہ اور اذان سے پہلے میں اردو میں تحریر کرتا ہوں اس وجہ سے کہ عمر رضی اللہ عنہ کہ دور خلافت میں تقسیم داری رضی اللہ عنہ صحابی نے عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے اس خطبے سے پہلے میں تحریر کر سکتا ہوں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تحریر کرو گے مجھے سناؤ۔ انہوں نے تقریر سنائی، جب عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دی۔ تو یہ خطبہ مسنونہ سے پہلے ہے۔ اسکی بنیاد پر میں جمعہ کے خطبہ مسنونہ سے پہلے تحریر کیا کرتا ہوں، اور نہ اذان ہو جانے کے بعد خطبہ مسنونہ ہے جسکو اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اور ذکر غیر عربی زبان میں نہیں ہو سکتا۔ اس لئے میں جمعہ کے خطبہ کو اردو یا کسی بھی غیر عربی زبان میں دینے کے اجتماع سے اجتناب کرتا ہوں اور جو لوگ دونوں خطبہ اردو یا کسی اور زبان میں دیتے ہیں اسے مناسب نہیں سمجھتا کیوں کہ میرے پاس اسکی کوئی دلیل نہیں ہے۔

سوال نماز کی حالت میں دوسرے آتے ہیں بتائیں کیا کریں؟

جواب عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نماز میں دوسرے آتے تھے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکو بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب ایسا معاملہ ہو تو تہودہ کر دو اور یا میں جانب عین بار تھکاردو۔ عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا اور دوسروں نے میرا پیچھا پھوڑ دیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کے متعلق لوگوں نے کہا ہے کہ یہ معاملہ اس صورت میں ہے جب کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو یا امام ہو۔ اس صورت میں تہودہ کرے اور یا میں جانب عین بار تھکارد بھی دے۔ اگر صف میں ہے تو صرف تہودہ پر قناعت کرے، تھکاردے نہیں کیونکہ برابر میں جو کھڑا ہے اسے معلوم نہیں، تم تھکارد گے تو وہ برائے گا کہ اس پر تھکارد رہے ہو۔

سوال قلب شمالی اور قلب جنوبی میں پچھ مپینے کے دن اور پچھ مپینے کی راتیں ہوتی ہیں وہاں پر روزہ کس طرح رکھا جاسکتا ہے؟

جواب قلب شمالی اور جنوبی میں سارا کام چلتا ہے وہاں پر روشنی کی

شعاعیں اور اشارے ہوتے ہیں۔ یہ تو سائنس کے لحاظ سے ہے اور اگر ایمانہ بھی ہو تب بھی عام دنوں کی طرح روزہ رکھنا اور افطار کرنا ہوگا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال نکلے گا۔ صلاب نے پوچھا کہ کب تک رہے گا، فرمایا چالیس دن، اس میں ایک دن ایسا ہوگا جو ایک سال کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر ہوگا۔ اور باقی جو دن ہیں وہ تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ اس پر صحابہ کرام نے پوچھا ان دنوں میں ایک سال کے برابر جو دن ہوگا تو اس میں کیا ہم ایک ہی دن کی پانچ نمازیں پڑھیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں، اندازہ لگانا۔ یعنی سال میں چھ دن پختے ہیں اور چھ نمازیں بنتی ہیں اس کا اندازہ لگا کر اتنی ہی نمازیں پڑھنا ہوں گی۔

اس حدیث میں یہی مسئلہ آگیا ہے۔ قلب شمالی اور جنوبی میں اگر اشارے نہیں بھی ہیں تو اندازہ لگا کر عام دنوں کی طرح عمری اور افطار کرنا ہوگی جیسا کہ حدیث میں آگیا کہ ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا تو 353 دن نمازیں حساب کر کے عام دنوں کی طرح اندازہ کر کے پڑھو گے۔ الجہی باعین جو ہیں انکا عمل بھی حدیث میں موجود ہے اور میں تو واضح چیز موجود ہے۔ بعض علاقوں میں الجہی بارشیں ہوتی ہیں کہ آٹے و گندے سورج نظر نہیں آتا، اندھیرا ہوتا ہے تو کیا وہاں پر فجر، ظہر، عصر، مغرب کی نمازیں نہیں پڑھی جائیں؟

سوال مجبوری کی حالت میں قربانی کے جانور پر عورت کھجوری پھیرنا جائز ہے؟

جواب قربانی کے جانور کو مجبوری کی حالت ہی میں نہیں بلکہ عام حالات میں بھی عورتیں ذبح کر سکتی ہیں۔ بخاری نے باب باندھا ہے، اس میں ابو موسیٰ اشعری کا قول لائے ہیں۔ ابو موسیٰ اشعری اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے تھے کہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرو۔ عورتوں کو ذبح کرنے سے تو مولوی اس لئے روکتا ہے کہ اگر عورتیں بھی اپنے ہاتھوں سے اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کریں گی تو پھر اس سے کون بھری

پھر اسے گا۔ اس کا تو کاروبار ختم ہو جائے گا۔

بقیہ :- داؤد علیہ السلام

فقیہ اور یہ فکر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، یہ محل سکر میں تھی۔ "اصلی کلام المرطب ترجمہ کشف الخجوب

اندازہ لگائیے، ایک طرف قرآن وحدیث کے ذریعے انبیاء علیہم السلام کی عصمت، ان کے مقام ومرتبے کی جلدی اور اللہ کے دین کو اس کے بندوں تک پہنچانے کے لئے انکی مخلصانہ و دردمندانہ کاوش اور محنت ومشقت کو کس طرح وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور دوسری طرف ان "معروف شخصیات" نے جو کام آتے ہی لوگوں کی گردنیں احترام سے جھک جاتی ہیں، کس دیدہ دلیری سے کتاب وسنت کی تعلیمات اور تقاضوں سے صرف نظر کرتے ہوئے، اسرائیلی روایات میں مذکور ان خرافات کو محض رنگ آمیزی اور گمراہ کن تاویلات کے ذریعے ذہنی عیاشی کے لئے لوگوں میں پھیلا یا ہے۔ اور سقم ظریفی یہ ہے کہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے دامن کو داغدار کر نیوالے ان اسرائیلیات کے خوش چینوں سے لوگوں کی عقیدت ہے کہ روز افزوں ترقی پارہی ہے اور ایسی ہی ہستیوں کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ان کے دم سے ہی برصغیر میں اسلام پھیلا یا للہ تعالیٰ

غالبا ہی وہ فکری گنج گرا نمایا ہے جسکی بدولت انہیں "گنج بخش" اور "فیض عالم" جیسے القابات و خطابات سے نوازا گیا ہے۔ جسکو پھیلا کر انہوں نے لوگوں کی ایک بڑی اکثریت کو پر آگندہ خیال کیا ہے۔ ہر حال دین تصوف کے ان شمسواروں کو بنیادی طور پر اسرائیلیات کی خوش چینی کرنے والے ایسے علماء ومفسرین قرآن نے ہی دلائل کے وہ بے لگام گھوڑے فراہم کئے ہیں جنہوں نے ماطلات کو اس انجام پر پہنچا دیا ہے کہ ایک عالم انکی وجہ سے فکری انتشار کے اس جال میں گرفتار ہے جس کے چاروں طرف ہی ہرے وار بیٹھے ہوئے ہیں۔

لہذا انسانیت کو اس فکری غلائی اور ذہنی سرکوبیت سے نکالنے کے لئے اس پیچیدہ جال کو کاٹنے بغیر چارہ نہیں، جو قرآن وحدیث کے مطابق کھلی اور واضح دعوت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

سوال :- وضو کے دوران کیا سلام کا جواب دے سکتے ہیں؟

جواب :- لفظمانے لکھا ہے کہ نہیں۔ لیکن انکے پاس اسکے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، وہ تو کہتے ہیں کہ وضو کے دوران بات بھی نہیں کر سکتے، حالانکہ بخاری بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو کرنے والوں کو وضو کرنے کے دوران نصیحت بھی کی کہ اچھی طرح وضو کرو کیونکہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں عبداللہ بن عباسؓ ان کو وضو بھی کراتے رہے اور ان سے بات بھی کرتے رہے کہ سورۃ التحریم کی آیت "ان تنوبوا لی اللہ فقد صغت قلوبکم" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کن دو بیویوں سے متعلق ہیں۔ عمرؓ نے وضو کے دوران انکو اس کا جواب بھی دیا۔

بقیہ :- عید میلاد النبیؐ

جس نے سبھی سنت سے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

ثابت ہوا کہ اتباع سنت رسول ہی اطاعت رسولؐ ہے اور سنت سے انحراف اطاعت رسولؐ سے انکار ہے۔

اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کے دین سے محبت وعقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے کو اختیار کیا جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کی جائے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کر کے ہی ہم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں جس کا وعدہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔

ومن یطع للہ ورسولہ فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصلحین وحسن اولئک رفیقا والنساء۔ ۱۷۹

میں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء و صلحہ۔ اور ایسے ہی لوگوں کا ساتھ بہت اچھا ہے۔

اللہ ہمیں ایسے لوگوں کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

سودا کر لیا ہے۔

مصعب بن عمیرؓ اس آیت کا پوری طرح مصداق تھے۔

من العمومین رجال صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ
الاحزاب ۱۳

”مومنوں میں بہت سے ایسے ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا
تھا اس کو سچ کر دکھایا۔“

انہوں نے اسلامی تاریخ میں وہ اہم فتوح چھوڑے ہیں جو
قیامت تک راہ حق کے چادہ پیمانوں کیلئے نشانے منزل بنے رہیں گے۔

اللہ کن لوگوں کے ساتھ ہے

(البقرہ ۱۵۸)

(البقرہ ۱۵۸)

(الحجرات ۱۸)

بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

بیشک اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے

بیشک اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے



اللہ

اللہ کو

لَا يُحِبُّ
ناپسند ہیں

يُحِبُّ
پسند ہیں

(البقرہ ۱۵۸) (المائدہ ۵۵) (الاعراف ۵۵)

(البقرہ ۲۰۲) آل عمران ۳۲ (الروم ۳۱)

(آل عمران ۵۵) (التوہ ۳)

(القصص ۲۶) (النحل ۳۰) (القصص ۶۶)

(القلم ۱۸) (اللہ پر ۳۰)

(القصص ۱۰۷) (الانفال ۵۵) (الحج ۳۸)

(القصص ۳۸)

(المائدہ ۳۰) (القصص ۷۷)

(الانعام ۱۳۱) (الاعراف ۱۳۱)

حد سے بڑھنے والے

کفر کرنے والے

ظلم کرنے والے

شیخی خورے، خود پسند، اترانے

والے، فخر و تکبر کرنے والے

خیانت کرنے والے

برائی سے بچ کر بات کرنے والے

فساد پھیلانے والے

اسراف کرنے والے

(البقرہ ۱۹۵) آل عمران ۳۳ (المائدہ ۱۳)

(البقرہ ۲۲۲)

(البقرہ ۲۲۲) (التوہ ۱۰۸)

(آل عمران ۷۶) (التوہ ۳)

(آل عمران ۱۳۶)

(آل عمران ۱۵۹)

(المائدہ ۳۲) (الطہ ۱۰) (الممتحنہ ۸)

(الصف ۳)

احسان کرنے والے

توبہ کرنے والے

پاک صافہ بننے والے

تقویٰ و پرهیزگاری والے

صبر کرنے والے

اس پر توکل کرنے والے

انصاف کرنے والے

اسکی راہ میں جم کر لڑنے والے (الصف ۳)

ترتیباً: منور سلطانی

اتحاد — مگر کس بنیاد پر ؟

آج ہر طرف سے یہ آوازیں آرہی ہیں کہ مسلمانوں کو جمع کرو، مسلمانوں کو جمع کر دو۔ سوال یہ ہے کہ آخر ایسے کو کس چیز پر جمع کیا جائے۔ اگر موجودہ دین پر جو تمام ادیان دین ہے تو اسے اجتماع سے فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کہ ہم سے کہیں اس کے دین متوجہ نہ ہو گئے بلکہ ہر آخر اسے پر عذاب کے ڈانگے برتے رہیں گے۔ ہاں اگر اسے موجودہ دین سے برائے کا اعلان کر کے غالباً قرآن و سنت کا قصد کیا جائے تو یہ اجتماع مبارک اور صحیح معنوں میں حَبْلُ اللَّهِ کو مضبوطی کے ساتھ لے کر پکڑنا ہوگا۔ اس اجتماع سے مالک حقیقی کا وعدہ ہے کہ۔ اَنْتُمْ اَلَاَعْلَمُونَ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِیْنَہُمْ
تم ہی سر بلند تم ہی کامگار، تم ہی (دنیا اور آخرت کے) تابدار ہو گے، اگر تم ہونے دینے جاؤ۔ اسے زمین کے خلاف تمہارے ہاتھوں میں ہو گئے اور اسے دستانہ تمہارے قدم چومے گئے۔
رہے ہم تو ہماری ساری دھوڑ دھوپ انشاء اللہ اسے مقصد کے لئے وقف ہے اور وقفہ رہے گا۔ اب کوئی بڑا ماننے پھر اٹھ پا ہو، گالیوں دے، جان و مال کا دشمن بن جائے تو یہ چیزیں تو آنے جانی ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ مالک کے دربار میں اپنے نہایت کا کیا بنے گا۔ اسے بے ہم قاصد غیماؤں مژ کے حکم پر عمل کر رہے ہیں اور اسے یقین دینے کے ساتھ کہ آسمان زمین کا کیلا مالک ہماری کفایت کے لئے ہے۔

ابھی ایک آخری بات ہے یعنی یہ فریاد کہ لوگو !
اگر اللہ کا دین تو سید تمہارے دل کو اپیل نہیں کرتا تو کم از کم اسے دینے اتحاد کو اپنے ذات تکہ ہے مجتہد دور کتنے مگر تم نے یہ کیا غصہ کیا کہ مدیوں سے اسے کہ تبلیغ و ترویج کے لئے غافل ہو رہے بنا رہے ہو، مدرسے قائم کر رہے ہو، تم نے اپنے منہ کے غافل ہو کر دنیا کے کونے کونے میں بھیج رکھے ہیں جو تمہارے دین اتحاد کا پرچار کرتے ہیں۔ تمہارے اخبار، تمہاری کتابیں، تمہارے رسالے، (سے ایک ہر ہاتھ کو پھیلا کر مالک کا نانا کے تھلے کو آزمار رہے ہیں۔

لِلّٰہِ ! اس کھیل کو اب تو ختم کر دو — بہت ہو چکا۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ

اے نبی! ان سے کہہ دیجئے کہ تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری چیزیں کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تم میرے گناہوں کو معاف کرے گا۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى

والا من لم يدر

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى
فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ خِطَابًا (النساء: ٨٠)

میں نے رسولؐ کی اطاعت کی اور اس پر
اللہ کی اطاعت کی اور میں نے
خواب کیا تو مجھے آپ کو
سورہ المؤمن آئی،

نبی کا انکار؟

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ أُمَّتٍ يَدُ خُلُودٍ الْجَنَّةِ إِلَّا مَنْ أَيْ،
عَالَوَا وَمَنْ يَأْتِي؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَيْ (مُخَارَافَةُ كِتَابِ الْإِسْلَامِ)

”میری تمام اُمتِ نبشت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ لوگوں نے عرض کیا کون (انکار) انکار کرے گا؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی جہنم میں (میں نے) انکار کیا۔“

قرآن و حدیث کی درج بالا تصریحات سے جہاں اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو دو ٹوک الفاظ میں واضح کیا گیا ہے وہاں نبی علیہ السلام کی نافرمانی اور آپ کی سنت سے روگردانی کے انجام سے بھی باخبر کر دیا گیا ہے چنانچہ اطاعت رسول کی اسی اہمیت کے پیش نظر ذیل میں نبی علیہ السلام کے فرمودات اور اُمت مسلمہ کے عقائد و اعمال کا ایک تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے تاکہ انجام کی فکر رکھنے والے اس آئیے میں اپنے مقام کا تعین کر کے دیکھیں کہ انہیں اپنے آپ کو اللہ کی محبت اور مغفرت کا مستحق بنانے کے لئے اپنے رویے اور طرز عمل میں کیا تبدیلی لانے کی ضرورت ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق بخشنے (آمین)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

• اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا بند و خد بنایا جائے یا نہ ہو خد بن کر پکارا جائے۔

(سُخَارِیْ كِتَابِ الْاِمْاَنِ)

• یہ کہ جب بھی سوال کرو، اللہ سے سوال کرو اور جب بھی مافوق الاسباب مدد مانگو تو اللہ ہی سے مدد مانگو۔

(ترجمة من بحوال مشكوة، باب التوكل والقصر)

● قبروں کو پختہ بنانے، ان پر عمارت یا چھت بنانے اور بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

(مُسلم: كتاب الجنازة)

○ ادنیاء علیہ السلام اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا ہے
اور شیروان و اصراری پر امت فرمائی جنہوں نے اپنے قبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا تھا۔

۵۔ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

ارتدى ما بين ما وسجل الحفرة، إلى ليبارت القهر

۱۰ یہ کہ جس نے تعویذ لٹکایا، اس نے شرک کیا۔ (مسند احمد جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے حوالے کیا جائیگا۔ (ابوداؤد)

۷۔ خیر القرون میں مرنے والوں کے پیچھے تیسے چالیسویں ہجری یا کسی اور لفظ سے احوال ثواب یا ایوم پیدائش مانگے کو کوئی ثبوت ذخیرہ حدیث میں نہیں ملتا۔

ایمان، اسلام کے دعویداروں کے عقائد و اعمال

۱۰ دوسرے ائمہ کے مقابلے میں اس کی مخلوق میں سے داتا، دیگر جگہ، شکل کشا، حاجت روا، غریب خواں، اور غوث الاعظم بنانے کے بعد ان کو شکل کشائی و حاجت روائی کے لئے نکالا بھی جاتا ہے۔

۱۰) انہی اکثریت ذمہ فرمایا کہ عہد اپنی حاجات کیلئے سوال کرتی ہے بلکہ انہو مانوق الاسباب بدو کے لئے پکارتی بھی ہے مثلاً یار شون بدو، یا علی بدو، یا پیر بدو، یا غوث بدو، یا سیاوا الحق بیڑا دھک۔

۱۰ اچھے لوگوں کو چن کر بنانا، ان پر محبت یا مروت کی تعمیر اور نیکوئی
وصول کرنے کیلئے عبادتیں کرنا، عوام معمول ہی نہیں بلکہ عیس
دینداری کی علامت ہے۔ (۱۰ ماشاء اللہ)

۴۰ ان کے نزدیک یہ کوئی معیوب عمل نہیں بلکہ ان پر عارضی اور دہائی پر مختلف مراسم کی ادائیگی یا عہدہ اور ثواب ہے۔

۴۰ ان کی عورتوں کی اکثریت بغیر پردے کے کچے قبرستانوں اور عزادات کی زیارت کیلئے جاتی اور وہاں پر مختلف مڑم جودیت بجا لاتی ہے۔

● مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی اکثریت تعزید، کڑے، پھیلے، دھاگے اور تانت، داندھن اور لہن پر اتھا اور رکھتی ہے۔

۱۰ انکی اکثریت اس طرح کی تمام معاملوں میں اور اس حوالے سے ایما اور جلسے میں کامیابی کا اہتمام میں دینی فریضہ سمجھ کر کرتی ہے۔